فہم القرآن سیریز نمبر 1

سورۃ سیریز

سُورَۃُ الرَّحْمٰن

قرآنا عجبا

سوال و جواب کی صورت میں

قرآن مجید کی ہر آیت کی وضاحت

نگہت ہاشمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر سورۃ الرحمٰن

نگہت ہاشمی

تفسیر سورۃ الرحمٰن

نگہت ہاشمی

النور پبلیکیشنز

نام کتاب : تفسیر سورۃ الرحمٰن

مصنفہ : نگہت ہاشمی

طبع اول : اپریل 2009ء

طبع دوم : اپریل 2018ء

تعداد : 2100

ناشر : النور انٹرنیشنل

لاہور : H-102 گلبرگ III، نزد فردوس مارکیٹ، لاہور

فون نمبر : 0336-4033045, 042-35881169, 042-35851301

کراچی : گراؤنڈ فلور کراچی بیچ ریزیڈنسی نزد بلاول ہاؤس، کلفٹن بلاک III، کراچی

فون نمبر : 0336-4033034 - 021-35292341-42

فیصل آباد : A-121 فیصل ٹاؤن، ویسٹ کینال روڈ، فیصل آباد

فون نمبر : 03364033050, 041-8759191

ای میل : sales@alnoorpk.com

ویب سائٹ : www.alnoorpk.com

فیس بک : Nighat Hashmi, Alnoor International

فہرست

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ابتدائیہ

قرآن مجید کو انسان کے قلب وذہن اور زندگی میں اُتارنے کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جو طریقے اختیار کیے ہیں، اُن میں سے ایک اہم طریقہ سوال وجواب کا ہے۔ مثلاً سورۃ المدثر میں اللہ تعالیٰ سوال کرتے ہیں:

﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ﴾

''اور تمہیں کس نے خبر دی کہ دوزخ کیا ہے؟'' (27)

پھر اگلی ہی آیات میں جواب دیا جاتا ہے:

﴿لَا تُبْقِيْ وَ لَا تَذَرُ ۝٢٨ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۝٢٩ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝٣٠﴾

''نہ وہ باقی رکھے گی اور نہ وُہ چھوڑے گی۔ کھال کو جھلسا دینے والی ہے۔ اُس پر انیس فرشتے مقرر ہیں''

سورۃ البلد میں اللہ تعالیٰ خود ہی سوال اُٹھا کر جواب دیتے ہیں:

﴿وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝١٢ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝١٣ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝١٤ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝١٥
اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝١٦ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَ تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝١٧﴾

''اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی؟ کسی گردن کا چھڑانا یا بھوک والے دن کھانا کھلانا، کسی رشتہ دار یتیم کو یا خاک نشین محتاج کو، پھر یہ کہ وہ اُن لوگوں میں ہو جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو رحم کرنے کی نصیحت کی۔''

سوال آدھا علم ہے۔ سوال جب اُٹھایا جاتا ہے تو ذہن متوجہ ہو جاتا ہے پھر جب جواب آتا ہے تو اس کا اثر گہرا ہوتا ہے۔ نبی ﷺ کثرت سے اس طریقے کو استعمال فرماتے تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، انہوں نے بیان کیا:

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهِ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ مَالِهِ؟

قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا مِنَّا أَحَدٌ إِلَّا مَالُهُ أَحَبُّ إِلَيْهِ؟

قَالَ: فَإِنَّ مَالَهُ مَا قَدَّمَ، وَمَالُ وَارِثِهِ مَا أَخَّرَ (صحیح بخاری:6442)

نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کون ہے جسے اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال پیارا ہو؟''

انہوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کو اپنا مال زیادہ پیارا نہ ہو۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''بے شک اُس کا مال وہ ہے جو اس نے آگے بھیجا (یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا)

اور اس نے جو (مال) پیچھے چھوڑا، وہ اس کے وارث کا مال ہے۔''

ہر آیت میں غور وفکر کے بہت سے پہلو ہوتے ہیں لیکن انسان عام طور پر انہیں نظر انداز کر کے گزر جاتا ہے۔ یہ پہلو سوال کی صورت میں سامنے آئیں تو انسان رُک کر سوچتا ہے۔ سوال و جواب کے انداز میں سیکھنا زیادہ آسان ہو جاتا ہے۔ انسان کو سوالوں کے جواب مل جائیں تو اطمینان ہو جاتا ہے اور دل جمتا ہے۔

قرآن حکیم کو سوال وجواب کی صورت میں **قُرْاٰنًا عَجَبًا** کے نام سے مرتّب کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہر آیت کے اہم پہلوؤں کو سوال کی صورت میں اُٹھایا ہے اور نکات (Points) کی صورت میں ان کا جواب قرآن حکیم ہی سے لینے کی کوشش کی ہے۔ میں نے تجربہ کیا ہے کہ اس طرح اہم نکات (Tips) پر آجاتے ہیں، وہ نکات جن پر انسان عام طور پر یا تو سوچتا نہیں یا پھر ویسے ہی گزر جاتا ہے۔ قرآن مجید کو اس انداز میں پڑھ کر ہر وہ شخص فائدہ اُٹھا سکتا ہے جو قرآن کے راستے کا مسافر بننا چاہتا ہے۔ اگرچہ سوال و جواب کے طریقے سے شعور بیدار ہوتا ہے لیکن ایک انسان کا علم محدود ہے، سمجھ محدود ہے، فرشتوں کی بات کو سامنے رکھیں تو اپنے علم کی حقیقت سامنے آتی ہے۔

﴿سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾

''آپ پاک ہیں جو آپ نے ہمیں سکھایا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ علم نہیں

یقیناً آپ ہی سب کچھ جاننے والے، کمال حکمت والے ہیں'' (البقرہ:32)

میں ان سب افراد کی بہت ممنون ہوں جن لوگوں نے اس کاوش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں میری مدد کی۔ قارئین سے درخواست ہے غلطیوں کی نشاندہی ضرور کریں۔ اگر اس سے کوئی بھلائی نصیب ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کا کرم سمجھ لیں، آخرت کی فکر لاحق ہو جائے تو دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ میری خطاؤں سے درگزر فرمائیں

دُعاؤں کی طلب گار

نگہت ہاشمی

ایاتہا ۷۸ ۵۵ سُورَۃُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِیَّۃٌ ۹۷ رکوعاتہا ۳

سوال 1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ سورت مکی ہے۔ اس کے تین رکوع اور 78 آیات ہیں۔

سوال 2: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے یہ 55 ویں نمبر پر ہے اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے 97 ویں سورت ہے۔

سوال 3: اس سورت کا نام ''الرحمن'' کیوں ہے؟

جواب: سورۃ رحمن کا نام ''الرحمن'' اس لیے رکھا گیا کیونکہ اس کا آغاز اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک اسم کے ساتھ ہو رہا ہے اور وہ اسم ''الرحمن'' ہے۔ یہ رحمت سے اسم مبالغہ ہے جس میں ''رحیم'' کے مقابلے میں زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ جو منعم (نعمت دینے والا) ہے۔ اس نے اپنی تمام مخلوق کو جلیل القدر نعمتوں سے نوازا ہے۔ جبکہ ''الرحیم'' کا معنی یہ ہے کہ وہ منعم جس نے اپنے خاص بندوں یعنی اہل ایمان کو خاص نعمتوں سے نوازا ہے۔ (تفسیر منیر: 205/14)

سوال 4: اس سورت کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: (1) سورۃ رحمٰن مکی سورتوں میں سے ایسی سورۃ ہے جو عقیدہ اسلامیہ کے اصول وقواعد کا علاج معالجہ کرتی ہے۔ (یعنی عقائد کی اصلاح کرتی ہے) (صفوۃ التفاسیر: 274/3) (الاساس فی التفسیر: 5639/10)

(2) امام طبری نے کہا ہے کہ ''رحمن'' تمام خلقت کے لیے ہے جبکہ ''رحیم'' صرف اہل ایمان کے لیے ہے۔ اس سورت کا نام ایک اور حدیث میں امام بیہقی نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کچھ اس طرح مرفوع نقل کیا ہے کہ یہ قرآن کی دلہن ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ہر چیز کی دلہن ہے اور قرآن کی دلہن ''سورۃ رحمن'' ہے۔'' (تفسیر منیر: 205/14)

(3) سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رکن کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز میں قرآن پڑھتے ہوئے سنا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم نہیں ملا تھا کہ ﴿فاصدع بما تؤمر﴾ چنانچہ مشرکین بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت سن رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت پڑھ رہے تھے ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟''

(الدر المنثور: 189/6)

(4) سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی معیت میں تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سورۃ الرحمن شروع سے آخر تک پڑھ کر سنائی مگر وہ خاموش رہے تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا بات ہے تم خاموش کیوں کھڑے

ہو؟ حالانکہ میں نے اس سورت کو جنات پر تلاوت کیا تھا اورانہوں نے سن کر اچھا جواب دیا تھا کہ میں جب بھی اس آیت ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' سے گزرا تو وہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم تیری کسی بھی نعمت کی تکذیب نہیں کرتے اور تمام تر تعریفات کا تو ہی لائق ہے۔'' (الدرالمنثور:6/190,189)

(5) سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نو رکعات نماز وتر ادا کرتے تھے پھر جب آپ ﷺ بڑی عمر کو پہنچے اور بھاری بدن والے ہو گئے تو آپ ﷺ سات رکعت نماز وتر ادا کیا کرتے تھے اور دو رکعت بیٹھ کر نماز پڑھتے اور ان میں سورۃ رحمن اور سورۃ واقعہ کی قرأت کیا کرتے تھے۔ (الدرالمنثور:6/190)

(6) مہایمی نے کہا ہے کہ: قرآن کی دلہن اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ یہ سورۃ جلیل القدر نعمتوں کے تذکرے سے بھری ہوئی ہے۔ (تفسیر قاسمی:15/278)

رکوع نمبر 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿اَلرَّحْمٰنُ﴾

''وسیع رحمت والے نے'' (1)

سوال 1: ﴿اَلرَّحْمٰنُ﴾ ''وسیع رحمت والے نے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَلرَّحْمٰنُ﴾ ''وسیع رحمت والے نے'' اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک نام ہے۔

(2) سورۃ کا آغاز ﴿اَلرَّحْمٰنُ﴾ سے ہوا ہے جو اس کی بے پایاں رحمت، عمومی احسان، بے شمار بھلائیوں اور وسیع فضل وکرم پر دلالت کرتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان امور کا ذکر فرمایا جو اس کی رحمت اور اس کے آثار، یعنی دینی، دنیاوی اور اخروی نعمتوں پر دلالت کرتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں تک پہنچایا۔ اپنی ان نعمتوں کی ہر جنس اور نوع کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ دونوں جماعتوں یعنی جن وانس کو تنبیہ کرتا ہے کہ وہ اس کا شکر ادا کریں، چنانچہ فرماتا ہے: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ (تفسیر سعدی:3/2669,2668)

(3) اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت وشفقت کی خبر دی ہے۔

(4) رحمت وہ رقتِ قلب ہے جو احسان کرنے کا تقاضا کرے۔ (مفردات القرآن)

(5) رب العزت نے فرمایا: ﴿كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ ''اس نے رحمت کرنا اپنے اوپر لکھ دیا ہے، وہ قیامت کے دن ضرور بہ ضرور تمہیں جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں۔'' (الانعام:12)

(6)اور اس کی رحمانیت میں سے اس کا پرندوں پر لطف و کرم کرنا ہے۔﴿اَوَلَمۡ یَرَوۡا اِلَی الطَّیۡرِ فَوۡقَهُمۡ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقۡبِضۡنَ ؕۘ مَا یُمۡسِکُهُنَّ اِلَّا الرَّحۡمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِکُلِّ شَیۡءٍۭ بَصِیۡرٌ﴾ ''اور کیا اُنہوں نے اپنے اوپر پرندوں کو نہیں دیکھا اس حال میں کہ وہ پر پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں اور کبھی سمیٹ لیتے ہیں رحمان کے سوا انہیں کوئی نہیں تھامتا، بلاشبہ وہ ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے۔'' (الملک:19)

(7)سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:﴿اَلرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْكُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ﴾ ''رحم کرنے والوں پر رحمان بھی رحم کرتا ہے۔ زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔'' (ترمذی:1924)

رحمت بے لوث محبت کو کہتے ہیں۔ بغیر کسی مطالبے کے جو شفقت اور عنایت کی جاتی ہے اس کو رحمت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت بندۂ مومن کو اس کا شکر ادا کرنے پر ابھارتی ہے۔ اسے یہ یقین آ جاتا ہے کہ میرا رب مجھے، میرے وقت، میرے مال، میری صلاحیتوں اور میری قوتوں کو رائیگاں نہیں جانے دے گا۔ وہ یہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری اس زندگی کے ہر عمل کو فائدہ مند بنا دے گا۔

سوال 2: سورۃ کا آغاز الرّحمٰن سے کیا گیا، اس کی کیا وجہ بنی تھی؟

جواب: مشرکینِ مکہ نے یہ سوال کیا تھا کہ الرّحمٰن کیا ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں جس میں رحمٰن کے نام سے اللہ تعالیٰ نے واقف کروایا ہے۔

سوال 3: الرّحمٰن کون ہے؟

جواب: (1) الرّحمٰن وہ ہے جو وسیع رحمت والا ہے۔

(2) الرّحمٰن وہ ہے جس کی رحمت ایمان والوں کے لئے قرآنِ مجید کی صورت میں آئی۔

(3) الرّحمٰن وہ ہے جس کی رحمت اولاد کو والدین کا فرماں بردار بنا دیتی ہے۔

(4) الرّحمٰن وہ ہے جس کی رحمت شوہر اور بیوی کے رشتے کو مضبوط کر دیتی ہے۔

(5) الرّحمٰن وہ ہے جس کی رحمت سے بعض لوگ بعض سے زیادہ خاص ہو جاتے ہیں۔

(6) الرّحمٰن کی رحمت سے محمد الرسول اللہ ﷺ رحمت للعالمین بنے۔

(7) الرّحمٰن وہ ہے جس کی رحمت نے ہر چیز کو اپنے گھیرے میں لیا ہوا ہے۔

﴿عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ﴾

''قرآن کی تعلیم دی'' (2)

سوال 1: ﴿عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ﴾ ''قرآن کی تعلیم دی'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ﴾ ''قرآن کی تعلیم دی''یعنی اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کوقرآن کریم کے علم سے نوازااور محمد ﷺ نے اپنی امت مسلمہ کواس کی تعلیم دی۔(تفسیر مراغی:377/9)

(2)زجاج کہتے ہیں﴿عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ﴾کامعنی ہے کہ میں نے اسے آسان کردیا ہے کیونکہ یہ نصیحت ہے۔(معانی القرآن زجاج ورقۃ:232)

(3)اے لوگو!وہ رحمن ہے جس نے اپنی رحمت سے تم کوقرآن سکھایاہے۔تم پراللہ تعالیٰ نے یہ انعام فرمایاہے۔جب تم نے اس میں غوروخوض اورفکروتدبرکیاتوتم نے اللہ تعالیٰ کی رضاوخوشنودی کوپایا۔اورجب تم نے اس میں غوروفکرکیاتوتم نے اس میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اورغضب کی معرفت وآشنائی حاصل کی۔تاکہ جوکچھ اس میں بیان کیاجارہاہے اس کی اطاعت وپیروی کوبجالاؤجس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوجائے اورجس کااس نے حکم دیاہے اس پرعمل پیراہوں اوراللہ تعالیٰ کی ناراضگی،عتاب وعذاب سے اجتناب کیاجاسکے۔تاکہ ان احکام پرعمل پیراہونے کی بناپراجرعظیم سے نوازاجائے اوراللہ تعالیٰ کے عذاب وناراضگی سے اجتناب ہوسکے۔(جامع البیان:120/27)

(4)رب العزت نے فرمایا:﴿قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾ ''آپ کہہ دیں اس کونازل کیاہے اُس نے جوآسمانوں اورزمین کے رازجانتاہے،یقیناوہ بے حد بخشنے والا،نہایت رحم والاہے۔''(الفرقان:6)

(5)﴿الٓرٰ ۫ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِیْمٍ خَبِیْرٍ﴾ ''الر۔ایک کتاب ہے جس کی آیات پختہ کی گئی ہیں پھرکمال حکمت والے،پوری خبررکھنے والے کی طرف سے تفصیل سے بیان کی گئی ہیں۔''(ہود:1)

(6)قرآن کریم کی تعلیم جلیل القدررفع واعلیٰ مقام کی حامل ہے۔اوراللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پریہ چیزعیاں کی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نصیحت ہے جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایاہے:﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ﴾ ''پھرہم نے اس کتاب کاوارث ان لوگوں کوبنایاجنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب فرمایاچنانچہ اُن میں سے کوئی اپنے نفس پرظلم کرنے والاہے،اوران میں سے کوئی میانہ رَوہے اورکوئی اللہ تعالیٰ کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والاہے،یہی بہت بڑافضل ہے۔''(فاطر:32)

(7)اللہ تعالیٰ نے لوگوں کواس چیزکاعلم دیاہے کہ وہ اس نعمت عظمیٰ کی وجہ سے اس کی تعریف کریں جواللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی صورت میں نازل فرمائی ہے۔(اضواء البیان:489/7)اوریہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے:﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا﴾ ''سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پرکتاب نازل کی اوراس میں کوئی کجی نہیں رکھی۔''(الکہف:1)﴿وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْۤا اَنْ یُّلْقٰۤى اِلَیْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِیْرًا لِّلْكٰفِرِیْنَ﴾ ''اورآپ یہ اُمیدنہ رکھتے تھے کہ آپ پرکتاب اتاری جائے گی مگرآپ کے رب کی جانب سے رحمت ہے،چنانچہ آپ کافروں کے لیے مددگارنہ بنیں۔''(القصص:86)﴿اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِیْنَ ﴿۵﴾ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۶﴾﴾ ''ہماری طرف سے حکم ہے،یقیناً ہم ہی رسول بھیجنے والے تھے۔آپ

کے رب کی جانب سے رحمت ہے یقیناً! وہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔'' (الدخان:6,5)

(8) وہ قرآن کی تعلیم ہے جو دلوں کی شفا ہے۔ (البحر المحیط:54/10)

(9) رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ﴾ ''تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جو قرآن سیکھتا اور سکھاتا ہے۔'' (بخاری ومسلم) (المحرر الوجیز:223/5)

(10) پچھلی سورۃ کا افتتاح ایسے معجزہ سے ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ہیبت وعظمت پر دلالت کر رہا ہے اور وہ چاند کا پھٹنا ہے اور اس سورۃ کا افتتاح ایسے معجزہ سے ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت پر دلالت کر رہا ہے اور وہ قرآن کریم جیسی بابرکت کتاب ہے جس میں دلوں کی شفا اور گناہوں سے پاکیزگی کا سامان موجود ہے۔ اور یہ منصب ومقام کے لحاظ سے تمام نعمتوں سے زیادہ صاحب سبقت وجلالت ہے۔ پچھلی سورۃ اور اس سورۃ میں اس لحاظ سے ایک دوسری مناسبت بھی پائی جاتی ہے کہ اُس (پچھلی) سورۃ میں ایسی باتوں کا تذکرہ ہے جو انتقام الٰہی اور غضب خداوندی کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ جیسا کہ اس کا فرمان ہے: ﴿فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ﴾ ''سو اب چکھو میرا عذاب اور میرا ڈراوا۔'' (القمر:39) ﴿فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ﴾ ''پھر کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا!'' (القمر:21) اور اس سورۃ میں ہر نعمت کو شمار کرنے کے بعد ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' کا ذکر ہے یعنی نعمت پر نعمت کی یاددہانی کا، کیونکہ یہ چیز غفلت ونسیان میں مبتلا لوگوں کی غنودگی کو احساس بیداری عطا کرتی ہے۔'' (غرائب القرآن:227/6)

(11) اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے قرآن کے الفاظ اور معانی کو اپنے بندوں کے لیے آسان کر دیا ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو ہر بھلائی پر مشتمل ہے اور ہر برائی سے روکتی ہے۔ (12) الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کا سمجھنا اور یاد کرنا آسان کر دیا ہے۔

(13) قرآن کا اتارنا اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تقاضا ہے۔ ہر مالک کا اپنے مملوک کو یہ بتانا ضروری ہوتا ہے کہ وہ اس سے کیا کام لینا چاہتا ہے اور کس مقصد کے لیے اسے بنایا گیا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کا انسانوں کو یہ بتانا ضروری تھا کہ ان کا مقصد حیات کیا ہے اور یہ ضرورت قرآن اتار کر پوری کر دی گئی۔ (تیسیر القرآن:345/4)

سوال 2: اس سورت کے آغاز میں ہی قرآنِ مجید سکھانے کی بات کیوں کی گئی ہے؟

جواب: اس سورت کے آغاز میں ہی قرآنِ مجید سکھانے کی بات اس لئے کی گئی کہ اہلِ مکہ کہتے تھے یہ قرآن محمد ﷺ کو کوئی اور سکھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے واضح کیا کہ یہ محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خود سکھایا ہے۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اپنی بے شمار نعمتوں کا ذکر کیا۔ سب سے پہلے قرآنِ مجید کی تعلیم کا ذکر کیوں کیا؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کی ضرورت اور اہمیت کی وجہ سے اس کا ذکر آغاز میں کیا۔

(2) انسانی زندگی کے لئے سب سے زیادہ فائدہ مند نعمت قرآنِ مجید ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا آغاز میں ذکر کیا۔

(3) قرآنِ مجید کی تعلیم سے ہی انسان صحیح معنوں میں انسان بن سکتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا آغاز میں ذکر کیا۔

﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ﴾

''اُس نے انسان کو پیدا کیا''(3)

سوال1: ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ﴾ ''اُس نے انسان کو پیدا کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ﴾ ''اُس نے انسان کو پیدا کیا'' اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین صورت میں، کامل اعضا اور پورے اجزا کے ساتھ نہایت محکم بنیاد پر تخلیق فرمایا، باری تعالیٰ نے انسان کو پوری مہارت کے ساتھ بنایا اور اسے تمام حیوانات پر امتیاز بخشا۔(تفسیر سعدی:2669/3)

(2) جب تعلیم قرآن کا تذکرہ فرمایا تو معلم کا ذکر نہیں فرمایا۔ اس کا ذکر بعد والے فرمان ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ﴾ سے کیا، تاکہ جو مقصود تعلیم ہے وہ سکھلائے اور جب انسان کو دین اور تعلیم قرآن کے لیے تخلیق کیا گیا ہے تو گویا ان کی تخلیق کے سبب کو اس کی تخلیق سے قبل ذکر کیا۔''

(البحر المحیط:54/10)

سوال2: انسان کیا ہے؟

جواب: انسان رحمٰن کی تخلیق ہے۔

سوال3: انسان کو رحمٰن نے کیسے بنایا ہے؟

جواب: انسان اپنی تخلیق کے وقت ایک خلیہ ہوتا ہے جو باپ کی پیٹھ سے ماں کے رحم میں منتقل ہوتا ہے اور انتہائی کمزوری سے اس کی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ cell سے کئی cell، پھر جما ہوا خون، پھر گوشت کی بوٹی، پھر ہڈیاں، عُضلات اعصاب وغیرہ بنتے ہیں۔ پھر حیرت انگیز سننے، دیکھنے، چکھنے، سونگھنے اور چھونے کے کام شروع ہو جاتے ہیں۔ پھر شعور ملتا ہے اسی cell کو جو نہ نظر آتا تھا نہ اظہار کر سکتا تھا۔ یہ cell کہاں سے آیا؟ خلیے سے انسان کیسے بنا؟ انسان رحمٰن کے پاس سے آیا ہے۔ انسان کو رحمٰن نے تخلیق کیا ہے۔

سوال4: انسان کی تخلیق کے بارے میں ڈاروِن کا نظریۂ ارتقاء کیا کہتا ہے؟

جواب: انسان کے بارے میں ڈارون کا نظریۂ ارتقاء کہتا ہے کہ انسان بندر سے ترقی کرتے کرتے اس مقام تک پہنچا ہے۔

سوال5: اسلام کا نظریۂ انسان کیا ہے؟

جواب: اسلام کا نظریۂ انسان یہ ہے کہ وہ: (1) اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ (2) جانوروں سے مختلف مخلوق ہے۔ (3) اللہ تعالیٰ نے اسے ایسے ہی پیدا کیا جس شکل وصورت میں وہ اب ہے۔

﴿عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾

''اُسے بولنا سکھایا'' (4)

سوال:﴿عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾ ''اُسے بولنا سکھایا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾ ''اُسے بولنا سکھایا'' قرآن مجید کی تعلیم کا بیان ہے اور تعلیم زبان سے ادا کرنے پر موقوف ہے، جس کا دارومدار قوت گویائی کو آسان بنانے پر اور حلق، زبان اور ہونٹوں سے ہر حرف کو اس کے مخرج سے نکالنے کو آسان کرنے پر ہے۔ مخارج مختلف ہیں اور زبان سے ادا کیے جاتے ہیں۔ مختلف قسم کے مخرجوں کو ادا کرنا اللہ تعالیٰ نے انسان کو بتا دیا۔ اب آسانی سے زبان مخرج ادا کر دیتی ہے۔ خواہ وہ ہونٹوں سے نکل رہا ہو، یا حلق سے یا نوک زبان سے۔ (مختصر ابن کثیر:1972/2)

(2) یعنی اللہ تعالیٰ نے جنس انسان کی تخلیق کی اور اسے نطق اور مافی الضمیر بیان کرنے کی قوت عطا فرمائی تاکہ وہ دیگر انسانوں کے ساتھ مخاطب ہو سکے۔ اور معاشرے کے امور کو سمجھے اور ان کے درمیان باہمی تعاون، اخوت اور محبت کی فضا قائم ہو۔ تعلیمی عناصر بھی اس سے مکمل ہوتے ہیں۔ (تفسیر منیر:212/14)

(3) اور جب انسان بنیادی طور پر مدنی الطبع اور معاشرت پسند ہے تو پھر اس کے لیے کسی بات کے افہام کے لیے کسی زبان کی ضرورت ہے جس سے وہ اپنی جنس کی بات کو سمجھے اور اس سے اپنی خط و کتابت کا سلسلہ جاری وساری رکھے خواہ وہ اسی ملک میں ہو یا بیرون ملک یا دوسرے شہروں میں ہو اور علوم سلف کو اس کے لیے محفوظ کیا جائے تاکہ خلف (بعد میں آنے والے) اس سے مستفید ہوں اور ان چیزوں کو محفوظ کیا جائے جو تاریخی ہیں، جو پہلے ہو چکی ہیں۔ (تفسیر مراغی:377/9)

(4) البیان سے مراد نطق، کتابت، خط اور کلام کو سمجھنا اور سمجھانا ہے۔ یعنی یہ امر واضح ہو جائے کہ متکلم کیا کہنا چاہتا ہے اور اسے کیا کہا جا رہا ہے۔ یہ قول ابوالعالیہ، مرۃ، حسن اور سدّی کا ہے۔ (تفسیر وسیط:217/4)

(5) سیدنا قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں فرماتے ہیں ﴿عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾ اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت کا بیان حلال وحرام کے درمیان سکھایا تاکہ مخلوق کے خلاف اس کو حجت بنایا جائے۔ (جامع البیان:120/27)

(6) سیدنا قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں: اور اللہ تعالیٰ نے خیر و شر کو واضح کر دیا جس کا ارتکاب کیا جاتا ہے اور جس سے اجتناب کیا جاتا ہے۔ (جامع البیان:121/27)

(7)﴿عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾ ابن زید رحمہ اللہ کا قول ہے بیان سے مراد کلام ہے (اس کو کلام کرنا سکھایا)۔ (جامع البیان:121/27)

(8) اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں جو صحیح اور درست قول ہے وہ یہ ہے کہ اس کا معنی اور مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی حاجت وضرورت کا بیان کرنا سکھایا خواہ وہ امور دنیا سے تعلق رکھتی ہو یا آخرت کے امور سے یا وہ حلال سے تعلق رکھتی ہو یا حرام سے، خواہ اقتصاد و معیشت کے متعلق ہو یا بولنے کے گویا انسان کی ہر حاجت وضرورت جو بھی اس کو پیش آسکتی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی چیز سے خاص

نہیں کیا۔کہ اس نے بعض چیزوں کی تعلیم دے دی اور بعض کو خیر باد کہہ دیا بلکہ اسے عام رکھا ہے۔فرمایا:''عَلَّمَهُ الْبَيَانَ''

(جامع البیان:121/27)

﴿اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ﴾

''سورج اور چاند ایک حساب سے ہیں''(5)

سوال:﴿اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ﴾''سورج اور چاند ایک حساب سے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ﴾''سورج اور چاند ایک حساب سے ہیں''یعنی سورج اور چاند متعین کردہ برجوں میں رواں دواں رہتے ہیں اور بندوں کی مصلحت کی خاطر اپنی منازل میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کے مقررہ نظام کے تحت رواں دواں رہتے ہیں اور اس سے تجاوز نہیں کرتے۔(صفوۃ التفاسیر:276/3)

(2)﴿لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾''نہ ہی سورج کے لائق ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ ہی رات دن سے پہلے آنے والی ہے اور سب ایک ایک مدار میں تیر رہے ہیں۔''(یٰسین:40)

(3)ایک خاص حساب اور باضابطہ نظام ہے جس میں یہ دونوں عظیم الشان سیارے جکڑے ہوئے ہیں چنانچہ ایک خاص وقت میں طلوع اور غروب ہوتے ہیں۔ایک معین راستہ پر چلتے ہیں۔اسی وجہ سے انسان اس قابل ہوا ہے کہ وقتوں،دنوں،تاریخوں اور موسموں کا حساب رکھ سکے۔(ابن کثیر)

(4)﴿فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ﴾''وہ صبح کو پھاڑ نکالنے والا ہے اور اس نے رات کو سکون کا باعث بنایا اور سورج اور چاند کو حساب کا ذریعہ بنایا ہے،یہ سب پر غالب،سب کچھ جاننے والے کا اندازہ ہے۔''(الانعام:96)

﴿وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ﴾

''اور بے تنے کے پودے اور درخت سجدہ کررہے ہیں''(6)

سوال:﴿وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ﴾''اور بے تنے کے پودے اور درخت سجدہ کررہے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ﴾''اور بے تنے کے پودے اور درخت سجدہ کررہے ہیں''یعنی ستارے اور درخت دونوں ہی اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں۔ستارے مختلف ابراج میں منتقل ہونے اور درخت پھل دینے میں حکم الٰہی کے پابند ہیں۔(صفوۃ التفاسیر:276/3)

(2)مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:ان کے سجدہ کرنے سے مراد تذلل اور فرمانبرداری ہے۔(تفسیر الثعالبی:346/5)

(3)﴿يَسْجُدٰنِ﴾ سے مراد ان کے سائے کا سجدہ ہے۔جیسا کہ فرمایا:﴿اَوَ لَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ﴾ ''اور کیا وہ دیکھتے نہیں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے ان کے سائے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہوئے دائیں بائیں ڈھلتے ہیں اس حال میں کہ وہ سب عاجزی کرنے والے ہیں۔'' (النحل:48)﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ﴾ ''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ یقینا اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ کرتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے لوگ بھی۔'' (الحج:18)(تفسیر الوسیط:218/14)

(4) آسمان کے ستارے اور زمین کے درخت سب اپنے رب کو پہچانتے ہیں،اس کو سجدہ کرتے ہیں،اس کی اطاعت کرتے ہیں،اس کے سامنے سرنگوں ہوتے ہیں اور اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے مصالح اور منافع کے لیے ان کو مسخر کر رکھا ہے۔(تفسیر سعدی:2669/3)

(5) سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے جب سورج غروب ہوا تو ان سے پوچھا کہ تم کو معلوم ہے کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے؟ میں نے عرض کی اللہ اور اس کے رسول کو ہی علم ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: یہ جاتا ہے اور عرش کے نیچے پہنچ کر پہلے سجدہ کرتا ہے پھر (دوبارہ آنے کی) اجازت چاہتا ہے اور اسے اجازت دی جاتی ہے اور وہ دن بھی قریب ہے جب یہ سجدہ کرے گا تو اس کا سجدہ قبول نہ ہوگا اور اجازت چاہے گا لیکن اجازت نہ ملے گی بلکہ اس سے کہا جائے گا کہ جہاں سے آیا تھا وہیں واپس چلا جا چنانچہ اس دن وہ مغرب ہی سے نکلے گا۔(بخاری:3199)

(6) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کی مطیع اور فرمانبردار ہیں لہٰذا تم بے دین لوگوں کی طرح ستاروں اور درختوں کی عبادت نہ کرو۔(تفسیر قرطبی:114/9)

﴿وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ﴾

''اور آسمان کو اُس نے بلند کیا اور میزان قائم کر دی'' (7)

سوال:﴿وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ﴾ ''اور آسمان کو اُس نے بلند کیا اور میزان قائم کر دی'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا﴾ ''اور آسمان کو اس نے بلند کیا'' یعنی زمین والوں کے لیے آسمان کو بلند کیا۔

(2)﴿وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ﴾ ''اور میزان قائم کر دی'' لفظ میزان کی تفسیر اس آیت میں سیدنا قتادہ،مجاہد،سدّی وغیرہ نے عدل سے کی ہے کیونکہ میزان کا اصل مقصد عدل ہی ہے،اور بعض حضرات مفسرین نے یہاں میزان کو اپنے معروف معنی میں لیا ہے اور حاصل اس کا بھی وہی ہے کہ حقوق میں عدل و انصاف سے کام لیا جائے۔اور میزان کے معنی میں ہر وہ آلہ داخل ہے جس سے کسی چیز کی مقدار معین کی جائے خواہ وہ

کوئی دو پلڑے والی ترازو ہو یا کوئی جدید آلہ پیمائش۔(معارف القرآن:245/8)

(3)امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان سمیت ہر شئے کو عدل کے ساتھ پیدا کیا ہے۔(الاساس فی التفسیر:5647/10)

(4)اور اللہ تعالیٰ نے ترازو وضع کیا،یعنی بندوں کے درمیان اقوال وافعال میں عدل جاری کیا۔اس سے مراد صرف معروف میزان ہی نہیں بلکہ وہ معروف میزان،ناپ تول جس کے ذریعے سے اشیاء اور دیگر مقداروں کو ناپا جاتا ہے،دیگر پیمانے جن کے ذریعے سے مجہولات کو منضبط کیا جاتا ہے اور اس میں وہ حقائق بھی داخل ہیں جن کے ذریعے سے مخلوقات میں فرق کیا جاتا ہے اور ان کے ذریعے سے ان کے درمیان عدل قائم کیا جاتا ہے۔(تفسیر سعدی:2669/3)

(5)رب العزت نے فرمایا:﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ ''بلاشبہ یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلیلوں کے ساتھ بھیجا۔اور اُن کے ساتھ ہم نے کتاب اور میزان بھی نازل کی تاکہ لوگ انصاف قائم کریں۔''(الحدید:25)

(6)اس آیت میں میزان سے اکثر مفسرین نے میزان عدل مراد لی ہے جس کے سہارے یہ زمین وآسمان قائم ہیں۔اس صورت میں ان کے عدل سے مراد وہ توازن وتناسب ہے۔جو ہر سیارے میں قوت جاذبہ یعنی کشش ثقل اور مرکز گریز قوت کے درمیان رکھ دیا گیا ہے۔علاوہ ازیں ہر سیارے کا درمیانی فاصلہ،ان کی رفتار اور ان میں باہمی تعلق بھی شامل ہے اور یہ اتنا لطیف اور خفیف تعلق ہے جو انسان کی سمجھ سے باہر ہے اور اس توازن وتناسب کو میزان کے لفظ سے اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ انسان کو سمجھانے کے لیے اس لفظ کے مفہوم کے قریب تر کوئی لفظ نہ تھا۔(تیسیر القرآن:346/4)

﴿اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ﴾

''کہ تم ناپ تول میں حد سے تجاوز نہ کرو''(8)

سوال:﴿اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ﴾''کہ تم ناپ تول میں حد سے تجاوز نہ کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اَلَّا تَطْغَوْا﴾''کہ تم حد سے تجاوز نہ کرو''یعنی انصاف سے تجاوز نہ کرو۔(تفسیر بیضاوی:273/5)

(2)﴿اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ﴾ پہلی آیت میں جو میزان پیدا کرنے کا ذکر تھا اس جملے میں اس کے مقصد کو واضح کیا گیا ہے۔تطغوا طغیان سے مشتق ہے جس کے معنی بے انصافی اور ظلم کے ہیں۔مراد یہ ہے کہ میزان کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے بنایا کہ تم وزن میں کمی بیشی کر کے ظلم وجور میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔(معارف القرآن:245/8)

(3)یعنی اللہ تعالیٰ نے میزان نازل فرمائی تاکہ تم حقوق اور دیگر معاملات میں حد سے تجاوز نہ کرو۔اگر معاملہ تمہاری عقل اور آراء کی طرف لوٹتا تو ایسا خلل واقع ہوتا جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور آسمان،زمین اور ان کے رہنے والے فساد کا شکار ہو جاتے۔(تفسیر سعدی:2669/3)

(4) اللہ تعالیٰ نے دنیا حق واعتدال پر پیدا کی ہے تاکہ تمام چیزیں اعتدال پر آجائیں۔ (مختصر ابن کثیر:1972/2)

﴿وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ﴾

''اور انصاف کے ساتھ وزن قائم کرو اور ناپ تول میں گھاٹا نہ دو'' (9)

سوال 1: ﴿وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ﴾ ''اور انصاف کے ساتھ وزن قائم کرو اور ناپ تول میں گھاٹا نہ دو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ﴾ ''اور انصاف کے ساتھ وزن قائم کرو'' یعنی عدل قائم کرو۔

(2) یعنی جہاں تک تمہاری قدرت، طاقت اور تمہارے امکان میں ہے، وزن کو انصاف کے ساتھ قائم رکھو۔ (تفسیر سعدی:2669/3)

(3) امام قتادہ رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اے ابن آدم عدل کر! جس طرح تجھے پسند ہے کہ تیرے ساتھ عدل کیا جائے اور پورا پورا دے جس طرح تجھے پسند ہے کہ تجھے پورا پورا دیا جائے بے شک عدل کرنے میں لوگوں کی اصلاح ہے۔ (تفسیر منیر:215/14)

(4) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو دیکھا جو جھکے ہوئے ترازو کے ساتھ وزن کم کر رہا تھا انہوں نے اسے فرمایا: ترازو کے دستے کو سیدھا کر کے وزن کر جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے: ﴿وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ﴾ (الدر المنثور:191/6)

(5) ﴿وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ﴾ ''اور ناپ تول میں گھاٹا نہ دو'' یعنی وزن میں کمی بیشی نہ کرو۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾ ''اور جب ماپ کرو تو پورا پورا ماپ کرو اور سیدھی ترازو سے تولا کرو یہی بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے زیادہ اچھا ہے۔'' (بنی اسرائیل:35)

(6) یعنی اسے کم نہ کرو کہ اس کی ضد پر عمل کرنے لگو، اس سے مراد ظلم وجور اور سرکشی ہے۔ (تفسیر سعدی:2671/3)

سوال 2: تول میں کمی نہ کرنے کا حکم کیوں دیا گیا؟

جواب: (1) تول میں کمی سے ہی بے انصافی کا آغاز ہوتا ہے۔

(2) تول میں کمی کی وجہ سے معاشی معاملات خراب ہوتے ہیں۔

(3) تول میں کمی کی وجہ سے زمین میں فساد پھیلتا ہے۔

﴿وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ﴾

''اور زمین کو اُس نے مخلوق کے لیے بچھا دیا'' (10)

سوال 1: ﴿وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ﴾ ''اور زمین کو اُس نے مخلوق کے لیے بچھا دیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا﴾ ''اور زمین کو اُس نے بچھا دیا'' یعنی خالق نے جیسے آسمان بلند کیے ایسے ہی زمین بچھا دی اور اس میں سر بفلک پہاڑوں کی میخیں ٹھونک دیں تا کہ جاندار چل سکیں اور راحت سے زندگی بسر کر سکیں پھر انسان بھی مختلف شکل و رنگ والے، مختلف زبانوں والے زمین کے تمام گوشوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ (مختصرابن کثیر:1972/2)

(2) یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کو اس کی کثافتوں، اس کے استقرار اور اس کے اوصاف واحوال سمیت بنایا۔

(3)﴿لِلْاَنَامِ﴾ ''مخلوق کے لیے'' تا کہ وہ زمین کو ٹھکانہ بنائے، زمین ان کے لیے ہموار فرش کا کام دے، یہ اس پر عمارتیں تعمیر کریں، زمین پر کھیتی باڑی کریں، باغات لگائیں، کنویں کھودیں، اس کے راستوں پر چلیں، اس کی معدنیات اور ان تمام چیزوں سے فائدہ اٹھائیں جن کی انھیں حاجت اور ضرورت ہو۔ (تفسیر سعدی:2670/3)

(4) انام سے مراد ہر وہ جاندار مخلوق ہے جو روئے زمین پر پائی جاتی ہے۔ خواہ وہ چرند ہوں، یا پرند، مویشی ہوں یا درندے، انسان ہوں یا جن اور انام سے مراد انسان اور جن لینا اس لحاظ سے زیادہ مناسب ہے کہ آگے انہیں دو انواع کا ذکر آ رہا ہے۔ (تیسیرالقرآن:346/4)

سوال 2: مخلوقات کے لئے زمین بچھانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے کہ زمین کو مخلوق کے کام میں لگا دیا ہے۔ زمین اللہ تعالیٰ کے حکم سے مخلوق کی خدمت میں مصروف ہے، کمی نہیں کرتی۔

﴿فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۙ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ﴾

''اس میں پھل ہیں اور کھجور کے درخت غلافوں والے (خوشوں پر) ہیں'' (11)

سوال 1: ﴿فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۙ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ﴾ ''اس میں پھل ہیں اور کھجور کے درخت غلافوں والے (خوشوں پر) ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿فِيْهَا فَاكِهَةٌ﴾ ''اس میں پھل ہیں'' یعنی زمین سے مختلف قسم کے رنگوں، ذائقوں اور خوشبوؤں والے پھل پیدا کر دیے ہیں۔

(2)﴿وَّالنَّخْلُ﴾ ''اور کھجور کے درخت'' یعنی خوشے والی کھجوریں بھی۔ کھجور کو خاص طور پر اس لیے بیان کیا گیا کہ اسے پھلوں پر یک گونہ فوقیت حاصل ہے اس سے لوگ، لگنے کے بعد سے خشک ہونے تک فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں۔ (مختصرابن کثیر:1972/2)

(3)﴿ذَاتُ الْاَكْمَامِ﴾ ''غلافوں والے (خوشوں پر) ہیں'' اکمام وہ غلاف ہیں جن میں کھجور کا خوشہ پھوٹنے کے وقت چھپا ہوتا ہے۔ (احسن التفاسیر:66/7)

(4) یعنی غلاف والی کھجوریں جو گچھے سے پھوٹتی ہیں جو تھوڑی تھوڑی کر کے نکلتی ہیں یہاں تک کہ مکمل ہو جاتی ہیں، تب وہ خوراک بن جاتی ہیں جس کو کھایا جاتا ہے، اس کو ذخیرہ کیا جاتا ہے، مقیم اور مسافر اس کو توشہ بناتے ہیں۔ کھجور بہترین پھلوں میں سے نہایت لذیذ پھل ہے۔ (تفسیر سعدی:2670/3)

سوال2: پھل اور کھجوریں اللہ تعالیٰ کی رحمت ہیں، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: پھل انسان کی خوراک کا بہترین حصہ ہیں۔ ان میں مزہ، حُسن، خوشبو اور قوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اتنی خصوصیات کو پیدا کر کے انسان پر رحمت کی ہے۔

﴿وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ﴾

''اور بھوسے والا اناج ہے اور خوشبودار پھول ہیں'' (12)

سوال: ﴿وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ﴾ ''اور بھوسے والا اناج ہے اور خوشبودار پھول ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالْحَبُّ﴾ ''اور اناج ہے'' یعنی اناج اور دانے جو انسان کی خوراک بنتے ہیں۔

(2) ﴿ذُو الْعَصْفِ﴾ ''اور بھوسے والا'' یعنی جانوروں کے بھوسے کے لیے اس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اس میں گیہوں، چاول، مکئی، جو، چنا وغیرہ شامل ہیں۔

(3) ﴿وَالرَّيْحَانُ﴾ ''اور خوشبودار پھول ہیں'' اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے رزق کی تمام اقسام مراد ہوں جس کو آدمی کھاتے ہیں۔ تب یہ خاص طور پر عطف عام کے باب میں شمار ہوگا اور اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عمومی اور خصوصی خوراک اور رزق سے نوازا ہے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد معروف ریحان ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف انواع کی خوش کن اور فاخرہ خوشبوؤں کو زمین میں سے مہیا کر کے، ان سے اپنے بندوں کو نوازا ہے جو روح کو مسرت عطا کرتی ہیں اور ان سے نفوس میں انشراح پیدا ہوتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 2670/3)

﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾

''تو اے جن و انس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (13)

سوال1: ﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ ''تو اے جن و انس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ ''تو اے جن و انس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ ﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ میں جنوں اور انسانوں دونوں مخلوقات کو خطاب ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ (جامع البیان: 130/27)

(2) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے پاس آئے اور ان کے سامنے الرحمن شروع سے آخر تک پڑھی۔ لوگ (سن کر) چپ رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: میں نے یہ سورت اپنی جنوں سے ملاقات والی رات میں جنوں کو پڑھ کر سنائی تو انہوں نے مجھے تمہارے

مقابلے میں اچھا جواب دیا۔ جب بھی میں پڑھتا ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ تو وہ کہتے: ﴿لَا بِشَيۡءٍ مِّنۡ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الۡحَمۡدُ﴾ ''اے ہمارے رب تیری نعمتوں میں سے کسی نعمت کا بھی انکار نہیں کرتے، تیرے ہی لیے ساری تعریفیں ہیں۔'' (ترمذی:3291)

(3)﴿اٰلَآءِ رَبِّكُمَا﴾ ''اپنے رب کی نعمتوں کو'' آلاء سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو انسان کی ضرورت مہیا کرتی ہیں اور پے در پے آتی رہتی ہیں اور اسے زندگی بسر کرنے کے لیے کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہوتی۔(فقہ اللغہ) اور یہ لفظ بالعموم جمع ہی استعمال ہوتا ہے۔کیونکہ ایسی نعمت ایک تو ہے نہیں لہٰذا ہمیشہ ﴿آلاء﴾ آتا ہے۔اور یہ آیت اس سورۃ میں اکتیس مرتبہ دہرائی گئی ہے۔کہیں آلاء کا لفظ عظیم الشان نعمتوں کے معنوں میں اور کہیں قدرت کی نشانیوں کے معنوں میں اور کہیں بیک وقت دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔(تیسیر القرآن:4/347)

(4)﴿تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تم دونوں جھٹلاؤ گے'' تکذیب نعم سے مراد اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا ہے کیونکہ عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ان کے کفر پر دلالت کرتا ہے۔نعمتوں کا شکر یہ ادا کرنا واجب ہے اور شکر یہ ادا کرنا عبادت الٰہی ہے۔(تفسیر مراغی:9/380)

(5) اللہ تعالیٰ نے یہ سوال شہادت قائم کرنے کے لئے کیا ہے ورنہ کوئی جن اور انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو جھٹلا نہیں سکتا۔

(6) اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں گنوا کر پوچھا ہے کیونکہ اس نے مسلسل احسانات کئے ہیں: کیا تمہیں میری فلاں نعمت یاد نہیں؟ کیا تم اس نعمت کا بھی انکار کرتے ہو؟ (7) یہ آیت اس سورۃ میں اکتیس بار آئی ہے اسے سن کر'' ﴿لَا بِشَيۡءٍ مِّنۡ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الۡحَمۡدُ﴾'' کہنا مستحب ہے (ابن کثیر)

﴿خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ كَالۡفَخَّارِ﴾

''اُس نے انسان کو کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا جو ٹھیکری جیسی تھی'' (14)

سوال1: ﴿خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ كَالۡفَخَّارِ﴾ ''اُس نے انسان کو کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا جو ٹھیکری جیسی تھی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ كَالۡفَخَّارِ﴾ ''اُس نے انسان کو کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا جو ٹھیکری جیسی تھی'' بڑے جہان میں زمین و آسمان کو پیدا کرنے اور بنی آدم پر اپنی نعمتیں گنوانے کے بعد اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کی توضیح کر رہے ہیں۔ان نعمتوں میں سے عظیم الشان نعمت تخلیق جن و انس ہے۔اس طرح مشرق و مغرب سمندر اور اس میں موجود موتیوں اور زمین میں موجود پہاڑوں کی تخلیق بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں جو اس کی قدرت و وحدت پر دلالت کرتی ہیں۔(تفسیر منیر:14/218)

(2) یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر نعمت ہے کہ اس نے انھیں اپنی قدرت اور کاریگری کے آثار دکھائے کہ ﴿خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ كَالۡفَخَّارِ﴾ انسان کے جدامجد سیدنا آدم علیہ السلام کو گیلی مٹی سے پیدا کیا، جس کے نم کو مہارت کے ساتھ محکم کیا گیا تھا یہاں تک کہ وہ خشک ہو گئی اور اس میں آگ پر پکائے گئے ٹھیکرے کی آواز کے مانند کھنکھنانے کی آواز پیدا ہو گئی۔(تفسیر سعدی:3/2671)

(3) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فرشتے نور سے، جنات آگ سے اور انسان اس مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں جس کا ذکر تمہارے سامنے ہو چکا ہے۔'' (مسند احمد:25248)

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾ ''اور ہم نے انسان کو بدبودار کیچڑ سے بجنے والی مٹی سے پیدا کیا۔'' (الحجر:26)

(5) امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ ﴿مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ﴾ ''ٹھیکری کی مانند آواز دینے والی مٹی سے'' اور ان آیات مبارکہ ﴿مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾ ''سڑے ہوئے گارے سے'' ﴿من طين لازب﴾ ''لیس دار مٹی سے'' ﴿من تراب﴾ ''مٹی سے'' کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ ان سب کا ایک ہی معنی ہے وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے مٹی سے پیدا کیا پھر اس مٹی کو لیس دار بنایا پھر اسے سڑے ہوئے گارے کی مانند بنایا پھر اسے آواز دینے والی ٹھیکری کی مانند تیار کر دیا۔ (الاساس فی التفسیر:5650/10)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے کس انسان کو ٹھیکری کی طرح کھنکھنانے والی خشک مٹی سے پیدا کیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا۔ پہلے ان کا پُتلا مٹی سے بنایا، پھر اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی روح پھونکی۔

سوال 3: سیدنا آدم علیہ السلام کے بعد باقی انسان کیسے وجود میں آئے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے سیدہ حوا علیہا السلام کو پیدا کیا۔ پھر ان دونوں سے انسانی نسل چلائی۔

﴿وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ﴾

''اور اُس نے جن کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا'' (15)

سوال: ﴿وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ﴾ ''اور اس نے جن کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَخَلَقَ الْجَآنَّ﴾ ''اور اس نے جن کو پیدا کیا'' اور جنات کے باپ ابلیس کو۔

(2) ﴿مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ﴾ ''آگ کے شعلے سے'' آگ کے صاف شعلے سے یعنی لکڑی اور کوئلے سے پیدا ہونے والی عام آگ سے نہیں بلکہ گرم تر لطیف حصے سے بنایا گیا۔

(3) یہ آیت کریمہ انسان کے شرف پر دلالت کرتی ہے جسے مٹی سے پیدا کیا گیا جس میں وقار، بوجھ اور منافع کا مقام ہے جب کہ آگ میں طیش، شر اور فساد کا مقام ہے۔

﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾

''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''؟ (16)

سوال1:﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾''تو اے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾''تو اے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''اللہ تعالیٰ ان الفاظ ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ کو تاکید کرنے،دلوں کو بیدار کرنے،اور نفوس کو متحرک کرنے کے لیے مکرر لاتے ہیں اور یہ طریقہ بلاغت میں عام استعمال ہوتا ہے۔کلام عرب حدیث نبوی ﷺ اور کتاب اللہ میں متعدد مقامات پر اس کی مثالیں موجود ہیں۔بعض اہل علم کی رائے کے مطابق مذکورہ تکرار اس لیے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کی نعمتوں کا تذکرہ کیا ہے،اور ان نعمتوں میں سے ہر نعمت کو ذکر کرنے کے بعد یہ الفاظ لائے ہیں اور یہی قول بہتر ہے۔(المحرر الوجیز:226/5)

(2)حسین بن فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ تکرار تاکید کرنے اور غفلت دور کرنے کے لیے ہے۔(تفسیر الثعالبی:349/3)

سوال2:اللہ تعالیٰ نے یہاں انسانوں اور جنوں سے کس نعمت کے جھٹلانے کا سوال کیا ہے؟

جواب:پیدائش نعمت ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں سے اُن کی پیدائش کے بارے میں سوال کیا ہے کہ کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

﴿رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ﴾

''دونوں مشرقوں کا وہی رب ہے اور دونوں مغربوں کا وہی رب ہے''(17)

سوال:﴿رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ﴾''دونوں مشرقوں کا وہی رب ہے اور دونوں مغربوں کا وہی رب ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ﴾''دونوں مشرقوں کا وہی رب ہے'' دو مشرقوں سے مراد سردی اور گرمی دونوں موسموں میں سورج طلوع ہونے کی جگہ ہے۔(جامع البیان:134/2)

(2)﴿وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ﴾''اور دونوں مغربوں کا وہی رب ہے''یعنی اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کا رب ہے جس پر سورج، چاند اور روشن ستارے طلوع اور غروب ہوتے ہیں اور وہ سب کچھ جس کے اندر چاند سورج ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور اس کے دست تدبیر کے تحت ہیں۔اللہ تعالیٰ نے یہاں مشرق اور مغرب کو سورج کے گرمیوں اور سردیوں کے مقامات طلوع وغروب کے مختلف ہونے کے اعتبار سے تثنیہ ذکر کیا ہے۔واللہ اعلم

(تفسیر سعدی:2671/3)

(3)حسین بن فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مشرقین اور مغربین کو خصوصاً اس لیے بیان کیا کیونکہ یہ دونوں تمام مخلوقات سے عظیم مخلوق ہیں۔(تفسیر الثعالبی:349/5)

﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾

''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (18)

سوال1: ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' ﴿لَا بِشَیْءٍ مِّنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ﴾ ''اے ہمارے رب! ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے چنانچہ تو ہی ہر قسم کی حمد وثنا کا مستحق ہے۔'' (ترمذی:3291)

سوال2: اللہ تعالیٰ نے یہاں کس نعمت کے جھٹلانے کی بات کی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے یہاں مشرق ومغرب کی وجہ سے وجود میں آنے والے دنوں اور موسموں اور دیگر مصلحتوں کو نعمت قرار دیا ہے اور ان کے بارے میں سوال کیا ہے کہ تم کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

﴿مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ﴾

''دو سمندروں کو اُس نے ملا دیا، جو ایسے باہم مل جاتے ہیں'' (19)

سوال1: ﴿مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ﴾ ''دو سمندروں کو اُس نے ملا دیا، جو ایسے باہم مل جاتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ﴾ ''دو سمندروں کو اُس نے ملا دیا، جو ایسے باہم مل جاتے ہیں'' اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نظارہ ہے دو دریا مل کر بہہ رہے ہیں لیکن عجیب بات ہے دونوں کا پانی آپس میں نہیں ملتا۔

(2) ﴿الْبَحْرَیْنِ﴾ سے مراد میٹھے پانی کا سمندر ہے اور نمکین پانی کا سمندر ہے جو آپس میں مل جاتے ہیں۔

(3) اس سے مراد دو الگ الگ دریا ہیں جیسے میٹھے پانی کے دریا جن سے فصلیں اُگتی ہیں، کھیتیاں سیراب ہوتی ہیں اور انسان پینے اور دیگر ضروریات کے لئے استعمال کرتا ہے۔ دوسری قسم سمندروں کا پانی ہے جو کھارا ہے جس کے اپنے فوائد ہیں۔ یہ دونوں آپس میں نہیں ملتے۔

سوال2: مرج سے مراد کیسے ملنا ہے؟

جواب: ﴿مَرَجَ﴾ کا مطلب ہے دو چیزوں کا آپس میں اس طرح ملنا کہ ان کی انفرادی حیثیت برقرار رہے۔

﴿بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ﴾

''کہ اُن دونوں کے درمیان پردہ ہے کہ وہ آگے نہیں بڑھتے'' (20)

سوال1: ﴿بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ﴾ ''کہ اُن دونوں کے درمیان پردہ ہے کہ وہ آگے نہیں بڑھتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ﴾ ''اُن دونوں کے درمیان پردہ ہے کہ وہ آگے نہیں بڑھتے'' دونوں کے درمیان ایک ایسا پردہ حائل ہے جس کی وجہ سے دونوں دریا اپنی حد میں رہتے ہیں۔

(2) دریا کا میٹھا پانی نمکین سمندر میں گرتا ہے پھر دونوں قسم کے پانی ایک دوسرے کے ساتھ مل جاتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے درمیان زمین کو ایک رکاوٹ بنا رکھا ہے، ایک پانی دوسرے پانی پر سرکشی نہیں کرتا اور یوں دونوں پانیوں کی منفعت حاصل ہوتی ہے۔ لوگ میٹھے پانی کو خود پیتے ہیں اور اس سے اپنے باغات اور کھیتی باڑی کو سیراب کرتے ہیں، کھاری پانی فضا کو پاک صاف کرتا ہے، اس میں وہیل، مچھلیاں، موتی اور گھونگے پیدا ہوتے ہیں اور یہ کشتیوں اور دیگر بحری سواریوں کے لیے مستقر اور مسخر ہوتا ہے۔ (تفسیر سعدی:2672/3)

سوال 2: دو دریاؤں کے آپس میں نہ ملنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) اس سے مراد سمندروں میں ہی میٹھے پانیوں کے دریاؤں کا بہنا ہے۔ کھارا اور میٹھا پانی ایک جگہ موجود رہتا ہے لیکن آپس میں نہیں ملتا۔ (2) اس سے مراد یہ بھی ہے کہ بسا اوقات کھارے پانیوں کے نیچے میٹھے پانیوں کے چشمے ہوتے ہیں اور وہ آپس میں نہیں ملتے۔

(3) اس سے یہ بھی مراد ہے کہ جن مقامات پر دریاؤں کا پانی سمندروں میں گرتا ہے تو کھارا اور میٹھا پانی میلوں تک ساتھ چلتا ہے وسیع و عریض سمندر میں یہ نہیں ملتا۔

سوال 3: کھارے اور میٹھے پانیوں کے نہ ملنے کا کیا سبب بتایا گیا ہے؟

جواب: ربّ العزت نے فرمایا کہ ان دونوں میں آڑ ہے جس کی وجہ سے وہ حد سے تجاوز نہیں کرتے۔ میٹھا اپنی جگہ اور کھارا اپنی جگہ رہتا ہے۔

﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾

''تو اے جن و انس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (21)

سوال: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن و انس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے کھارے اور میٹھے پانیوں کے الگ الگ فوائد انسانوں کو پہنچائے ہیں۔ یقیناً یہ ایسے انعامات ہیں جن کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

﴿يَخۡرُجُ مِنۡهُمَا اللُّؤۡلُؤُ وَالۡمَرۡجَانُ﴾

''اُن دونوں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں'' (22)

سوال: ﴿يَخۡرُجُ مِنۡهُمَا اللُّؤۡلُؤُ وَالۡمَرۡجَانُ﴾ ''اُن دونوں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَخۡرُجُ مِنۡهُمَا اللُّؤۡلُؤُ وَالۡمَرۡجَانُ﴾ ''اُن دونوں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں'' یعنی دونوں دریاؤں سے مونگے اور موتی نکلتے ہیں جب کسی ایک میں سے نکلتے ہیں تو کہنا درست ہوگا کہ مجموعہ میں سے برآمد ہوئے۔

(2) موتی اور مونگے کھارے پانی میں پائے جاتے ہیں موتی تو مشہور اور معروف ہے اور مرجان چھوٹا موتی یا بڑا عمدہ آب دار موتی یا سرخ

جواہر یا سرخ مہرہ ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 1974/2)

(3) مرجان دراصل جمادات اور نباتات کے درمیان برزخی پیدائش ہے۔ جس طرح سب موتی پتھروں ہی کی قسم ہوتے ہیں، مرجان بھی پتھر ہی کی قسم ہے لیکن یہ نباتات کی طرح بڑھتا ہے جمادات کی طرح جامد نہیں۔ مرجان کا ایک چھوٹا سا پودا ہوتا ہے جس کی شاخیں بھی ہوتی ہیں۔ موتی اور مرجان عموماً کھاری پانی کی پیداوار ہے مگر اسی کھاری پانی کے نیچے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے میٹھے پانی کے چشمے بھی ابل رہے ہوتے ہیں۔ یا ساتھ ساتھ دریا رواں ہوتے ہیں۔ اسی لیے ''منھما'' کا لفظ ارشاد فرمایا یعنی یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے حیرت انگیز تخلیقی کارناموں کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہیں جن سے انسان فائدہ اٹھا رہا ہے۔ (تیسیر القرآن: 348/4)

﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾

''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' (23)

سوال: ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' موتی اور مونگے اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں کیونکہ یہ زیب وزینت اور خوبصورتی کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کو حُسن اور خوب صورتی میں اضافے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موتی اور مونگوں کی نعمت کا ذکر کرکے سوال کیا ہے کہ یہ بتاؤ اور کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے یعنی یہ سب تو تم پر رحمٰن کی رحمتیں ہیں۔

﴿وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ﴾

''اور سمندر میں پہاڑوں جیسے بلند کھڑے جہاز اُسی کے ہیں'' (24)

سوال: ﴿وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ﴾ ''اور سمندر میں پہاڑوں جیسے بلند کھڑے جہاز اُسی کے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِی الْبَحْرِ﴾ ''اور سمندر میں کھڑے جہاز اسی کے ہیں'' مُنشئات وہ کشتیاں ہیں جن کا بادبان اٹھا دیا گیا ہو یا مخلوقات یا وہ جو نمایاں نظر آئیں۔

(2) ﴿كَالْاَعْلَامِ﴾ ''پہاڑوں جیسے'' اعلام یعنی پہاڑ، جہاز سمندر میں پہاڑوں کی طرح کھڑے معلوم ہوتے ہیں جو سینکڑوں من وزنی مال ادھر سے ادھر منتقل کرتے ہیں جس سے لوگوں کو بہت فائدہ پہنچتا ہے کیونکہ ان کی وجہ سے ان کی ضروریات دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل جاتی ہیں اور ہر شخص آسانی سے اپنی ضرورتیں مہیا کر لیتا ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کے قبضہ تصرف میں ہیں۔ یہ کتنی جلیل الشان نعمت ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 1974/2)

(3) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے سمندروں میں چلنے والی کشتیوں کو مسخر کیا جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے سمندر کے سینے کو چیرتی چلی جاتی ہیں جن کو آدمیوں نے بنایا ہے، جو اپنی عظمت کی وجہ سے بڑے بڑے پہاڑوں کے مانند دکھائی دیتی ہیں۔لوگ ان کشتیوں پر سواری کرتے ہیں اوران پر اپنا سامان، مال تجارت اور دیگر اشیاء لادتے ہیں جن کی وہ ضرورت اور حاجت محسوس کرتے ہیں۔آسمانوں اور زمین کی حفاظت کرنے والی ہستی ان کشتیوں کی حفاظت کرتی ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کی جلیل القدر نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔(تفسیر سعدی:2672/3)

﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾

''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (25)

سوال: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' یعنی اللہ تعالیٰ کی جلیل القدر نعمتیں ہیں اب بتاؤ تم کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

(2) سیدنا عمرہ بن سوید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ساحل فرات پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔اتنے میں ایک بہت بڑی کشتی آئی جس کے بادبان اٹھے ہوئے یعنی کھلے ہوئے تھے۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرکے یہ آیت پڑھ کر فرمایا: اس کی قسم جس نے ان پہاڑوں جیسی کشتیوں کو سمندر کی موجوں میں چلایا۔(مختصر ابن کثیر:1974/2)

رکوع نمبر 2

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾

''جو زمین پر ہے ہر ایک چیز فانی ہے'' (26)

سوال 1: ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾ ''جو زمین پر ہے ہر ایک چیز فانی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾ ''جو زمین پر ہے ہر ایک چیز فانی ہے'' یعنی زمین کے تمام باشندے فنا ہو جائیں گے۔آسمان والے بھی ختم ہو جائیں گے مگر جس کو اللہ تعالیٰ چاہیں تو وہ زندہ رکھیں۔

(2) زمین پر ہر ذی روح ہلاک ہو جائے گا نہ اس کی روح رہے گی، نہ ذات۔(ایسر التفاسیر:1562,1561)

سوال 2: ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔اس کے باوجود اس کا موجود ہونا کیا ثابت کرتا ہے؟

جواب: ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔اس کے باوجود اس کا موجود ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا غیر فانی ہے۔

﴿وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾

''اور آپ کے رب ہی کا چہرہ باقی رہ جائے گا جو بڑی شان والا اور عزت والا ہے'' (27)

سوال 1: ﴿وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾ ''اور آپ کے رب ہی کا چہرہ باقی رہ جائے گا جو بڑی شان والا اور عزت والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ﴾ ''اور آپ کے رب ہی کا چہرہ باقی رہ جائے گا'' یعنی اللہ تعالیٰ کی زندہ جاوید ہستی وہ عزت والی ذات ہمیشہ باقی رہے گی۔ ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۭ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ ''ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کے چہرے کے، فیصلہ اُسی کا ہے اور تم اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔'' (القصص:88)

(2) سیدنا شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾ پڑھو تو خاموش نہ ہو جاؤ جب تک ﴿وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾ پڑھ لے۔ (مختصر ابن کثیر: 1975/2)

(3) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ کہا کرتے تھے: ﴿اَعُوْذُ بِعِزَّتِكَ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ، وَالْجِنُّ وَالْاِنْسُ يَمُوْتُوْنَ﴾ ''تیری عزت کی پناہ مانگتا ہوں کہ کوئی معبود تیرے سوا نہیں، تیری ایسی ذات ہے جسے موت نہیں اور جن وانس فنا ہو جائیں گے۔''

(4) ﴿يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ يَا بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ بِرَحْمَتِكَ نَسْتَغِيْثُ اَصْلِحْ لَنَا شَأْنَنَا كُلَّهٗ وَلَا تَكِلْنَا اِلٰى اَنْفُسِنَا طَرْفَةَ عَيْنٍ وَلَا اِلٰى اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ﴾ ''اے ہمیشہ زندگی والے! اے کائنات کو سنبھالنے والے! اے آسمان اور زمین کو ایجاد کرنے والے اور اے جلال وعزت والے اللہ! تیرے سوا کوئی عبادت کا حق دار نہیں۔ ہم تیری رحمت مانگتے ہیں ہماری پوری حالت سنوار دے، ہمیں ایک لمحے کے لیے بھی ہمارے نفسوں کے حوالے نہ کرنا اور نہ اپنی مخلوق میں سے کسی کے حوالے کرنا۔'' (مختصر ابن کثیر)

(5) ﴿ذُو الْجَلَالِ﴾ ''اے جلال والے اللہ'' عظمت اور کبریائی کی مالک ہے جو مجد اور بزرگی کی مالک ہے جس کی بنا پر اس کی تعظیم اور عزت کی جاتی ہے اور اس کے جلال کے سامنے سر تسلیم خم کیا جاتا ہے۔ ﴿وَالْاِكْرَامِ﴾ ''اور اے عزت والے'' سے مراد بے پایاں فضل اور جود ہے جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء وخواص کو مختلف انواع واکرام کے ذریعے سے تکریم بخشتا ہے جس کی بنا پر اس کے اولیاء وخواص اس کی تکریم کرتے، اس کے جلال کا اقرار کرتے ہیں، اس کی تعظیم کرتے ہیں، اس سے محبت کرتے ہیں، اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس کی عبادت کرتے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 2673,2672/3)

(6) حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ان اسماء الحسنی کے ذریعہ سے دعا کیا کرو اور بعض آثار میں ہے کہ یاذا الجلال والاکرام کے ساتھ دعا قبول ہوتی ہے۔ (تفسیر قرطبی) (اشرف الحواشی: 635/1)

(7) سیدنا ربیعہ ابن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:﴿أَلِظُّوا بِيَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ جس کے معنی لازم پکڑنے کے ہیں مراد حدیث کی یہ ہے کہ اپنی دعاؤں میں یا ذالجلال والاکرام کو یادرکھواوراس کے ساتھ یہ دعا کیا کرو۔(کیونکہ وہ اقرب الی القبول ہے)(ترمذی)(تفسیر مظہری)

سوال2: دنیا کی ہر چیز کا خالق کیسا ہے؟

جواب: دنیا کی ہر چیز کا خالق غیر فانی ہے۔اگر ہر چیز کا خالق غیر فانی نہ ہوتا تو اشیاء کا وجود نہ ہوتا اور اگر ہوتا بھی تو اب تک مٹ چکا ہوتا۔

سوال3: اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے ﴿ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾ ہونے کا کیسے شعور دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے فانی ہونے سے اور اپنے باقی ہونے سے اپنی عظمت کا شعور دلایا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ جو چیز فنا ہو جانے والی ہے اس کی عزت بھی ختم ہونے والی ہے۔عزت تو اُسی کے لئے ہے جو باقی رہنے والا ہے۔

﴿فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾

''تو اے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟''(28)

سوال1:﴿فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾''تو اے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾''تو اے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' چونکہ لوگوں کی موت اور قیامت کے دن انصاف کی خبر دی گئی اور موت وزندگی بعد موت ایک نعمت عظمیٰ ہے کیونکہ انصاف سے عملوں کا بدلہ موت وزندگی بعد الموت ہی کے بعد پورا پورا ملتا ہے اس لیے فرمایا کہ رب کی کس کس نعمت سے منہ موڑو گے؟(مختصر ابن کثیر:1975/2)

﴿يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ﴾

''آسمانوں میں اور زمین میں جو بھی ہے سب اُسی سے مانگ رہا ہے۔وہ روزانہ ایک نئی شان میں ہے''(29)

سوال1:﴿يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ﴾''آسمانوں میں اور زمین میں جو بھی ہے سب اُسی سے مانگ رہا ہے۔وہ روزانہ ایک نئی شان میں ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾''آسمانوں میں اور زمین میں جو بھی ہے سب اُسی سے مانگ رہا ہے'' اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں،وہ بے نیاز ہے اور ساری مخلوقات اس کی محتاج ہیں۔اس جودوکرم والے کی بے شمار نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہی ہے۔ہر کسی کے ہاتھ اپنی ضروریات کے لیے اسی کے آگے اٹھتے ہیں۔ہر کوئی اسی کے سامنے گڑگڑاتا ہے کوئی بھی لمحہ بھر اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔

(2)﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ﴾''وہ روزانہ ایک نئی شان میں ہے'' ایک دفعہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی تو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے

سوال کیا کہ وہ شان کیا ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: گناہوں کا بخشنا، دکھ کو دور کرنا، کسی کو عروج دینا اور کسی کو پست کرنا۔ (ابن کثیر:234)

(3) مجاہد رحمہ اللہ نے کہا: ہر روز وہ دعائیں قبول کرتا ہے، کرب دور کرتا ہے، بے قرار کی سنتا ہے، گناہوں کو معاف کرتا ہے۔

(4) یعنی وہ محتاج کو غنی کرتا ہے۔ (تفسیر سعدی:2673/3)

(5) ہر وقت وہ کسی نہ کسی کام میں مصروف ہے۔ کسی کو زندگی دیتا ہے کسی کو موت دیتا ہے، کسی کو صحت دیتا ہے کسی کو بیمار کر دیتا ہے، کسی کو مال دیتا ہے کسی کو فقیر کر دیتا ہے، کسی کو بلندیوں تک لے جا رہا ہے کسی کو پستیوں میں گرا رہا ہے۔ ساری کائنات میں ہر لمحہ اُس کے کام جاری و ساری ہیں۔

سوال 2: ''آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں'' اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد آسمانوں اور زمین کی ساری مخلوقات ہیں۔ انسان، جن، جانور، پرندے، فرشتے اور تمام وہ مخلوقات جن کو ہم نہیں جانتے۔

سوال 3: آسمان اور زمین والے اُسی سے مانگتے ہیں۔ اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد یہ ہے کہ سب اس کے محتاج ہیں۔ سب ہی اُس کے دَر کے فقیر ہیں۔

سوال 4: ﴿كُلَّ يَوۡمٍ﴾ ''ہر روز'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہر وقت ہے۔

﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾

''تو اے جن و انس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (30)

سوال: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن و انس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یہاں نعمت سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات کا ہر وقت اپنے بندوں کے معاملات کی تدبیر میں لگے رہنا ہے۔ کہاں وہ عظیم ذات اور کہاں اُس کے فانی بندے۔ یقیناً یہ اس کی بہت بڑی نعمت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سوال کیا ہے کہ کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

﴿سَنَفۡرُغُ لَكُمۡ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ﴾

''اے دو بھاری گروہو! ہم جلد ہی تمہارے لئے فارغ ہوئے چاہتے ہیں'' (31)

سوال 1: ﴿سَنَفۡرُغُ لَكُمۡ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ﴾ ''اے دو بھاری گروہو! ہم جلد ہی تمہارے لئے فارغ ہوئے چاہتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿سَنَفۡرُغُ لَكُمۡ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ﴾ ''اے دو بھاری گروہو! ہم جلد ہی تمہارے لئے فارغ ہوئے چاہتے ہیں'' امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے، ہم تمہارا محاسبہ کریں گے، کیونکہ اسے کوئی چیز کسی دوسری چیز کی طرف خیال کرنے سے باز نہیں رکھ سکتی، یہ تو محاورہ

کلام عرب میں مشہور ہے، کہا جاتا ہے کہ میں فارغ ہو کر تجھ سے نمٹ لوں گا، حالانکہ اسے کوئی مشغولیت نہیں ہوتی، وہ کہتا ہے کہ میں تجھے اچانک پکڑ لوں۔ (بخاری:4878)

(2) یہاں جنوں اور انسانوں کے لئے ﴿ثقلان﴾ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں ''زمین کے دو بوجھ'' ان کی قدر و منزلت اور وقار کی وجہ سے ان کو ثقلان فرمایا یہ کہ دوسری مخلوق پر ان کا درجہ بھاری ہے۔ (اشرف الحواشی:635/1)

(3) یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندوں کے لیے وعید ہے۔

سوال 2: جنوں اور انسانوں کو ﴿الثَّقَلٰنِ﴾ کیوں کہا گیا ہے؟

جواب: (1) جنوں اور انسانوں کو زمین کے بوجھ اس لئے کہا گیا ہے کہ ان کو شریعت کا پابند کیا گیا ہے۔ اس پابندی یا بوجھ سے دوسری مخلوق آزاد ہے۔ (2) ان کو اس لئے بھی بوجھ کہا گیا ہے کہ زندہ ہوں یا مُردہ زمین پر بوجھ ہیں۔

سوال 3: فارغ ہونے سے یہاں کیا مراد ہے؟

جواب: فراغت سے مراد یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو فراغت نہیں ہے۔ یہ وعید کے لئے بولا گیا ہے۔

﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾

''تو اے جن و انس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''؟ (32)

سوال 1: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن و انس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن و انس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' یعنی تم اپنے رب سے غافل ہو کر کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے کہ تم شکر کرو، نہ عبادت کرو، نہ تقویٰ اختیار کرو گویا کہ نہ حساب ہے اور نہ رب حساب لینے والا ہے۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے نعمتوں کو جھٹلانے کا سوال کس فضا میں کیا ہے؟

جواب: یہ سوال غضب اور انتقام کی فضا میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے دھمکی دی ہے کہ ہم تم سے حساب لینے کے لئے فارغ ہوئے جاتے ہیں۔ یہ بتاؤ تم اپنے ربّ کی کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

﴿يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ﴾

''اے گروہِ جن و انس! اگر تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ، کسی غلبے کے سوا تم نہیں نکلو گے'' (33)

سوال:﴿يٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ اِنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ اَنۡ تَنۡفُذُوۡا مِنۡ اَقۡطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ فَانۡفُذُوۡا ؕ لَا تَنۡفُذُوۡنَ اِلَّا بِسُلۡطٰنٍ﴾ ''اے گروہِ جن وانس! اگر تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ، کسی غلبے کے سوا تم نہیں نکلو گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿يٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ اِنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ اَنۡ تَنۡفُذُوۡا مِنۡ اَقۡطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ﴾ ''اے گروہِ جن وانس! اگر تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل سکتے ہو'' جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو جمع کرے گا تو ان کی کمزوری اور بے بسی کو ظاہر کرنے کے لیے فرمائے گا کہ اگر تمہیں زمین اور آسمان میں کوئی راستہ، کوئی سوراخ ملتا ہے جہاں تم اللہ تعالیٰ کی بادشاہت سے بھاگ سکتے ہو تو بھاگ دیکھو۔

(2)﴿فَانۡفُذُوۡا﴾ ''تو نکل جاؤ'' نفذ بمعنی آر پار نکل جانا جیسے لوہے کی سلاخ کے ایک سرے کو آگ پر گرم کیا جائے تو تھوڑی دیر بعد حرارت دوسرے سرے تک از خود جا پہنچتی ہے۔ اور نفاذ بمعنی قوت سے کسی چیز کا اجراء ہونا، جیسے کہتے ہیں کہ اس ملک میں کل سے فلاں قانون نافذ ہو چکا ہے اور بمعنی چیز کا بسرعت داخل ہونا اور آر پار ہو جانا جیسے برقی رو آر پار نکل جاتی ہے۔ (تیسیر القرآن: 4/350)

(3)﴿لَا تَنۡفُذُوۡنَ اِلَّا بِسُلۡطٰنٍ﴾ ''کسی غلبے کے سوا تم نہیں نکلو گے'' ''سُلطٰنٍ'' بمعنی غلبہ اور شدید قوت بھی اور اتھارٹی لیٹر یا پروانہ راہداری بھی۔ اب اگر اس آیت کا اطلاق اس مادی دنیا پر کیا جائے، تو مطلب یہ ہوگا کہ زمین و آسمان کے کناروں تک پہنچنے کے لیے انتہائی قوت کی ضرورت ہے، جیسے انسان چاند پر، جو زمین کا سب سے قریبی سیارہ ہے، پہنچنے میں کامیاب ہوا ہے اور اس کے لیے انتہائی قوت اور بل بوتے کی ضرورت ہے۔ (تیسیر القرآن: 4/350)

(4) یعنی انسان اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کے حکم سے نہیں بھاگ سکتا اللہ تعالیٰ سب کو گھیرے ہوئے ہے اس کا فیصلہ نافذ ہو کر رہے گا۔ جدھر بھاگ کر جاؤ گے پکڑے جاؤ گے۔ میدان محشر میں ساری مخلوق کو چاروں طرف سے فرشتے گھیرے ہوئے ہوں گے۔ کوئی شخص اپنی جگہ سے ہل نہیں سکے گا اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ایک قدم نہیں اٹھا سکے گا۔

(5) رب العزت نے فرمایا:﴿يَقُوۡلُ الۡاِنۡسَانُ يَوۡمَئِذٍ اَيۡنَ الۡمَفَرُّ ‎(10)‏ كَلَّا لَا وَزَرَ ‎(11)‏ اِلٰى رَبِّكَ يَوۡمَئِذِ ۨالۡمُسۡتَقَرُّ ‎(12)‏﴾ ''اس دن انسان کہے گا: ''بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟'' ہرگز نہیں، کوئی پناہ کی جگہ نہیں ہے۔ اُس دن تیرے رب کے پاس ہی ٹھہرنے کی جگہ ہے۔'' (القیامہ: 10-12)

(6)﴿وَالَّذِيۡنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ ۢ بِمِثۡلِهَا ۙ وَتَرۡهَقُهُمۡ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَاۤ اُغۡشِيَتۡ وُجُوۡهُهُمۡ قِطَعًا مِّنَ الَّيۡلِ مُظۡلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ﴾ ''اور جن لوگوں نے بُرائیاں کمائیں تو بُرائی کا بدلہ اُس جیسا ہوگا اور اُن کو رسوائی ڈھانپے ہوگی، کوئی اُنھیں اللہ تعالیٰ سے بچانے والا نہ ہوگا، گویا اُن کے چہرے سیاہ رات کے ٹکڑوں سے ڈھانپ دیے گئے ہیں۔ یہی لوگ آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔'' (یونس: 27)

(7)اللہ تعالیٰ نے یہ بات اس لئے کی ہے کہ بُرے لوگ برائیوں سے باز آجائیں اور نیک لوگ زیادہ نیکیاں کمائیں۔

﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾

’’تو اے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے‘‘(34)

سوال1: ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾’’تو اے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾’’تو اے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے‘‘یعنی موت کے بعد زندگی کی نعمت کو یا صالحین کی عزت واکرام کو اور فاسدوں کی اہانت کو جھٹلاؤ گے اور یہ اللہ تعالیٰ کا عدل ہے جس کے برابر دنیا کی زندگی میں نہ کوئی رحمت ہے اور نہ نعمت۔(ایسر التفاسیر:1562)

سوال2: یہاں کون سی نعمتوں کو جھٹلانے کی بات کی گئی ہے؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ نے حساب کتاب کے لئے فارغ ہونے کی دھمکی دی ہے۔یہ نعمت ہے کیونکہ اس کی وجہ سے انسان زندگی میں سنبھلتا ہے۔

(2)اللہ تعالیٰ نے انسان کو قضا سے بھاگ نہ سکنے کا شعور دلایا ہے جو نعمت ہے کیونکہ انسان خود کو بے اختیار سمجھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے آگے جھکتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے سوال کیا ہے: یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

﴿یُرۡسَلُ عَلَیۡکُمَا شُوَاظٌ مِّنۡ نَّارٍ ۬ۙ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنۡتَصِرٰنِ﴾

’’تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑ دیا جائے گا، پھر تم مقابلہ نہ کرسکو گے‘‘(35)

سوال1:﴿یُرۡسَلُ عَلَیۡکُمَا شُوَاظٌ مِّنۡ نَّارٍ ۬ۙ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنۡتَصِرٰنِ﴾’’تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑ دیا جائے گا، پھر تم مقابلہ نہ کرسکو گے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿یُرۡسَلُ عَلَیۡکُمَا شُوَاظٌ مِّنۡ نَّارٍ ۬ۙ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنۡتَصِرٰنِ﴾’’تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑ دیا جائے گا، پھر تم مقابلہ نہ کرسکو گے‘‘یعنی تم پر آگ کے شعلے اور دھواں ملے شعلے چھوڑے جائیں گے جو انہیں گھیر لیں گے۔

(2)سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ شواظ سے مراد وہ شعلہ ہے جس میں دھواں نہ ہو۔سیدنا مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نحاس سے مراد پیتل ہے جو پگھلایا جائے گا اور ان کے سروں پر بہایا جائے گا۔(ابن کثیر:236)

(3)﴿شُوَاظٌ﴾ بمعنی خالص آگ کا شعلہ جس میں دھوئیں کی آمیزش نہ ہو اور اگر آمیزش ہو تو اسے نحاس کہتے ہیں۔مگر اس کی بھی صورت یہ ہونی چاہیے کہ آگ زیادہ اور دھواں کم ہو۔ایسی آگ کی رنگت تانبے جیسی ہوجاتی ہے اور نحاس تانبے کو بھی کہتے ہیں۔

(4)﴿ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ﴾ ''پھر تم مقابلہ نہ کر سکو گے'' پھر نہ تم خود مدد کر سکو گے اور نہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی تمہارا مدد گار ہو گا۔
(5) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگوں کا حشر تین فرقوں میں ہوگا، ایک (فرقہ میں) تو امید رکھنے والے اور ڈرنے والے لوگ ہوں گے اور (دوسرا فرقہ) ان لوگوں کا ہوگا جو دو دو، تین تین، چار چار اور دس دس ایک ایک اونٹ پر سوار ہوں اور باقی لوگوں کو آگ اکٹھا کرے گی۔ جہاں وہ آرام کریں گے وہیں وہ آگ بھی ان کے ساتھ ٹھہر جائے گی اور جہاں وہ رات گزاریں گے وہیں وہ بھی ان کے ساتھ رات گزارے گی اور جہاں وہ صبح کریں گے وہیں وہ آگ بھی ان کے ساتھ صبح کرے گی اور جہاں وہ شام کریں گے وہیں وہ بھی ان کے ساتھ شام کرے گی۔ (اور بالآخران کو میدان حشر تک پہنچا کر دم لے گی)۔'' (بخاری:6522)
(6) یعنی انسان مجبور اور بے بس ہوگا حساب و کتاب یا اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بھاگنے کی کوشش میں کامیاب نہ ہوگا۔
سوال 2: قیامت کے دن بھاگنے والوں کو کیسے روکا جائے گا؟
جواب: (1) قیامت کے دن آگ کے شعلے اور دھواں بھاگنے والوں پر چھوڑا جائے گا۔
(2) قیامت کے دن پگھلا ہوا تانبا سروں پر ڈال کر واپس لایا جائے گا۔

﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾

''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' (36)

سوال: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟
جواب: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' چونکہ اپنے بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی تخویف، اس کی طرف سے ان کے لیے ایک نعمت اور ایک کوڑا ہے جو انھیں بلند ترین اور بہترین مواہب کے حصول کے لیے رواں دواں رکھتا ہے۔ اس لیے اپنے احسان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ (تفسیر سعدی:4/2674,2675)

﴿فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ﴾

''پھر جب آسمان پھٹ جائے گا تو وہ سُرخ چمڑے جیسا سُرخ ہو جائے گا'' (37)

سوال: ﴿فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ﴾ ''پھر جب آسمان پھٹ جائے گا تو وہ سُرخ چمڑے جیسا سُرخ ہو جائے گا'' کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ﴾ ''پھر جب آسمان پھٹ جائے گا'' جب قیامت کے روز آسمان پھٹ جائے گا، سورج اور چاند بے نور ہو جائیں گے، جب تارے جھڑ جائیں گے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ (۱) وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ (۲)﴾

''جب آسمان پھٹ جائے گا۔اور جب ستارے بکھر جائیں گے۔'' (الانفطار:2,1)

(2)﴿اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ (۱) وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ (۲)﴾''جب آسمان پھٹ جائے گا۔اور وہ اپنے رب کے حکم پر کان لگائے گا اور یہی اُس کا حق ہے۔'' (الانشقاق:2,1)

(3)﴿وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا﴾''اور جس دن آسمان بادل کے ساتھ پھٹ جائے گا اور فرشتے نازل کیے جائیں گے،لگا تار نازل کیا جانا۔'' (الفرقان:25)

(4)﴿فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ﴾''تو وہ سُرخ چمڑے جیسا سُرخ ہو جائے گا''تو خوف اور گھبراہٹ کی شدت کی وجہ سے تانبے اور پگھلے ہوئے سیسے کی طرح لال ہو جائے گا،تب سیاروں کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔عالم بالا میں یوں لگے گا کہ آگ لگی ہوئی ہے۔

(5)مسند احمد کی حدیث میں ہے لوگ قیامت کے دن اُٹھائے جائیں گے اور آسمان ہلکی بارش کی طرح برستا ہوگا۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرخ چمڑے کی طرح ہو جائے گا۔ابو صالح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلے گلابی رنگ ہوگا پھر سرخ ہو جائے گا۔(ابن کثیر)

﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾

''تو اے جن و انس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''(38)

سوال:﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾''تو اے جن و انس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:اللہ تعالیٰ نے یہاں اس جہان کی ہر چیز کے فنا ہونے کو نعمت قرار دیا ہے کیونکہ فانی جہان کے خاتمے کے بعد ابدی جہان کا آغاز ہوگا۔اس اعتبار سے یہ نعمت ہے اور رب العزت نے سوال کیا ہے کہ تم کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

﴿فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ﴾

''پھر اس دن نہ کسی انسان سے اور نہ کسی جن سے اُس کے گناہ کا پوچھا جائے گا''(39)

سوال:﴿فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ﴾''پھر اُس دن نہ کسی انسان سے اور نہ کسی جن سے اُس کے گناہ کا پوچھا جائے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَيَوْمَئِذٍ﴾''پھر اُس دن''یعنی جس دن قبروں سے نکلیں گے۔

(2)﴿لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ﴾''نہ کسی انسان سے اور نہ کسی جن سے اُس کے گناہ کا پوچھا جائے گا''ان کے گناہوں کے بارے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا لوگ اپنی سیاہ یا سفید رنگت سے پہچانے جائیں گے اور حساب کتاب کے وقت سوال کیے جائیں

گے۔(ایسر التفاسیر:1563)

(3)رب العزت نے فرمایا:﴿هٰذَا يَوۡمُ لَا يَنۡطِقُوۡنَ ﴿۳۵﴾ وَلَا يُؤۡذَنُ لَهُمۡ فَيَعۡتَذِرُوۡنَ ﴿۳۶﴾﴾''یہ دن ہے جس میں وہ کچھ نہیں بولیں گے۔اور نہ ہی اُنہیں اجازت دی جائے گی کہ وہ معذرت پیش کریں۔''(المرسلات:36,35)

(4)سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ ہنسے اور (ہم سے) پوچھا:''کیا تم جانتے ہو میں کیوں ہنسا ہوں؟''ہم نے عرض کی،اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''(قیامت کے روز) بندے کی اپنے رب سے ہونے والی گفتگو پر مجھے ہنسی آئی ہے۔انسان کہے گا،اے میرے رب!کیا تو نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی (یعنی تیرا وعدہ ہے کہ میں کسی پر ظلم نہیں کروں گا)؟اللہ تعالیٰ فرمائے گا،ہاں!کیوں نہیں۔انسان کہے گا،میں اپنے خلاف کسی دوسرے کی گواہی جائز نہیں سمجھتا،سوائے اپنی ذات کی گواہی کے۔اللہ تعالیٰ فرمائیں گے،اچھا آج تیری ذات کی گواہی ہی تیرے لیے کافی ہے اور کراماً کاتبین کی گواہی (اس پر زائد ہوگی) چنانچہ انسان کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضا کو حکم دیا جائے گا،بولو۔چنانچہ وہ انسان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔اس کے بعد انسان کو بات کرنے کی اجازت دی جائے گی اور وہ اپنے اعضا سے مخاطب ہو کر کہے گا،ہلاکت ہو تمھارے لیے اور دوری ہو،میں تمھاری خاطر ہی جھگڑا کر رہا تھا (کہ تم جہنم سے بچ جاؤ)۔''(مسلم:7439)

(6)رب العزت کا فرمان ہے:﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسۡـَٔلَنَّهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۳﴾﴾''سو قسم ہے آپ کے رب کی!یقیناً ہم ضرور ان سب سے پوچھیں گے۔اس کے متعلق جو وہ عمل کرتے تھے۔''(الحجر:93,92)

﴿فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾

''تو اے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟''(40)

سوال:﴿فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾''تو اے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''کی وضاحت کریں؟

جواب:اللہ تعالیٰ نے اعمال کے ریکارڈ کو نعمت قرار دیا ہے جس کے مطابق مجرموں کو پہچان لیا جائے گا۔

﴿يُعۡرَفُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ بِسِيۡمٰهُمۡ فَيُؤۡخَذُ بِالنَّوَاصِىۡ وَالۡاَقۡدَامِ﴾

''مجرموں کو ان کی علامت ہی سے پہچان لیا جائے گا،پھر اُنہیں ان کی پیشانی کے بالوں اور قدموں سے پکڑا جائے گا''(41)

سوال:﴿يُعۡرَفُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ بِسِيۡمٰهُمۡ فَيُؤۡخَذُ بِالنَّوَاصِىۡ وَالۡاَقۡدَامِ﴾''مجرموں کو ان کی علامت ہی سے پہچان لیا جائے گا،پھر اُنہیں ان کی پیشانی کے بالوں اور قدموں سے پکڑا جائے گا''کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿يُعۡرَفُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ بِسِيۡمٰهُمۡ﴾''مجرموں کو ان کی علامت ہی سے پہچان لیا جائے گا''رب العزت نے قیامت کے دن

اچھے برے لوگوں کی کچھ ایسی علامات رکھی ہیں جو چہروں پر ظاہر ہوں گی۔فرمایا:﴿يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ﴾ جس دن کچھ چہرے روشن ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے،تو وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (اُن سے پوچھا جائے گا کہ) کیا تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا؟تو اب عذاب چکھو اس وجہ سے کہ تم کفر کیا کرتے تھے۔(آل عمران:106)

(2)﴿وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا﴾''اور اس دن ہم اس حال میں مجرموں کو جمع کریں گے کہ وہ نیلی آنکھوں والے ہوں گے۔''(طٰہٰ:102)

(3)﴿فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ﴾''پھر اُنہیں ان کی پیشانی کے بالوں اور قدموں سے پکڑا جائے گا''مجرم اس دن جکڑ دیے جائیں گے۔دوزخ کے فرشتے ان کے قدموں کو پیشانی کے پاس لا کر جکڑ دیں گے اور دوزخ میں دھکیل دیں گے،سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان کی پیشانیوں اور پیروں کو پکڑ کر لکڑی کی طرح توڑ کر جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔(مختصر ابن کثیر:1978/2)

﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾

''تو اے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''؟(42)

سوال:﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾''تو اے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾''تو اے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' یہاں اللہ تعالیٰ نے مجرموں پر اپنی گرفت کو نعمت قرار دیا ہے۔اس وقت اللہ تعالیٰ ان سے سوال کریں گے کہ اب بتاؤ کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے!

﴿هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ﴾

''یہ وہی جہنم ہے جس کو مجرم لوگ جھٹلایا کرتے تھے''(43)

سوال1:﴿هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ﴾''یہ وہی جہنم ہے جس کو مجرم لوگ جھٹلایا کرتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ﴾''یہ وہی جہنم ہے جس کو لوگ جھٹلایا کرتے تھے''اس وقت ان سے کہا جائے گا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور وعیدوں کو جھٹلایا کہ یہی جہنم ہے جس کے تم قائل نہیں تھے دیکھو موجود ہے!اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔اس وقت رسوا کرنے کے لیے ان سے یہ سب کچھ کہا جائے گا۔

سوال2:اللہ تعالیٰ نے انسان کو جہنم کا یقین شعوری طور پر کس ماحول میں لے جا کر دِلا یا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے مجرموں کو جہنم پہنچا کر اس کا یقین دِلا یا ہے کہ یہ ہے وہ جہنم جس کو تم جھوٹ قرار دیا کرتے تھے اب تو تم نے نظروں سے دیکھ لی۔

﴿يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ اٰنٍ﴾

''اُس کے اور کھولتے گرم پانی کے درمیان میں وہ چکر کھاتے رہیں گے'' (44)

سوال 1: ﴿يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ اٰنٍ﴾ ''اُس کے اور کھولتے گرم پانی کے درمیان میں وہ چکر کھاتے رہیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَطُوفُونَ بَيْنَهَا﴾ ''وہ اُس کے درمیان چکر کھاتے رہیں گے'' یعنی وہ جہنم اور اس کے شعلوں کے درمیان گھومیں گے۔

(2) ﴿وَبَيْنَ حَمِيمٍ اٰنٍ﴾ ''اور درمیان کھولتے ہوئے گرم پانی کے'' کبھی انہیں سخت کھولتے ہوئے پانی کے درمیان گھمایا جائے گا جس کی حرارت انتہا کی ہوگی۔

(3) حمیم پگھلے ہوئے تانبے جیسا مشروب جو آنتوں کو کاٹ ڈالے گا۔

(4) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ يُسْحَبُوْنَ (۷۱) فِي الْحَمِيْمِ ڎ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ (۷۲)﴾ ''جب طوق اور زنجیریں ان کی گردنوں میں ہوں گے، وہ گھسیٹے جا رہے ہوں گے۔ کھولتے ہوئے پانی میں، پھر وہ آگ میں جھونک دیے جائیں گے۔'' (المومن: 72,71)

(5) ﴿هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۡ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۭ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ (۱۹) يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ (۲۰)﴾ ''یہ دو جھگڑنے والے (گروہ) ہیں جنہوں نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا ہے، تو جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے آگ کے کپڑے کاٹے جا چکے، کھولتا ہوا پانی اُن کے سروں کے اوپر ڈالا جائے گا۔ جس سے وہ سب پگھلا دیا جائے گا جو ان کے پیٹوں میں ہوگا اور ان کی کھالیں بھی۔'' (الحج: 20,19)

(6) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کھولتا ہوا پانی کافروں کے سروں پر ڈالا جائے گا، جو سر کو چھید کر پیٹ تک پہنچے گا اور پیٹ میں جو کچھ ہوگا اسے کاٹ ڈالے گا اور وہ سب کچھ (اس کی پیٹھ سے نکل کر) قدموں میں جا گرے گا۔'' (مسند احمد: 8886)

(7) سیدنا قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آسمان اور زمین کی ابتدائی پیدائش کے وقت سے آج تک وہ گرم کیا جا رہا ہے۔ محمد بن کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بدکار شخص کی پیشانی کے بال پکڑ کر اسے اس گرم پانی میں ایک غوطہ دیا جائے گا تمام گوشت گل جائے گا اور ہڈیوں کو چھوڑ دے گا۔ (ابن کثیر)

سوال 2: جہنم اور اس کے کھولتے ہوئے پانی میں لوگ کیسے گردش کرتے رہیں گے؟

جواب: یہ اس طرح ہوگا کہ کبھی انہیں سخت کھولتا ہوا گرم پانی پینے کو دیا جائے گا جو انتڑیوں کو کاٹ دے گا اور کبھی جہنم کا عذاب دیا جائے گا۔

﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾

''پس اے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' (45)

سوال:﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ ''پس اے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ نے مجرموں کے انجام تک پہنچنے کو نعمت قرار دیا ہے۔(2)کبھی جہنم میں جھونک کر کبھی گرم کھولتے ہوئے پانی میں گھما کر ان سے پوچھا جائے گا تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

رکوع نمبر 3

﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ﴾

''اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اُس کے لیے دو باغ ہیں'' (46)

سوال: ﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ﴾ ''اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اُس کے لیے دو باغ ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ﴾ ''اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اُس کے لیے دو باغ ہیں''یعنی اس شخص کے لیے جو اپنے رب اور اس کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا،اس نے نواہی کو ترک کر دیا اور جس کام کا اسے حکم دیا گیا،اس کی تعمیل کی،دو جنتیں ہیں جن کے برتن،زیورات،عمارتیں اور ان میں موجود تمام چیزیں سونے کی ہوں گی۔ایک جنت ان کو اس امر کی جزا کے طور پر عطا کی جائے گی کہ انھوں نے منہیات کو ترک کیا اور دوسری نیکیوں کی جزا ہوگی۔(تفسیر سعدی:2677/3)

(2) صحیح بخاری تفسیر سورۃ الرحمٰن میں ہے''دو باغ چاندی کے ہیں جن میں برتن اور جو کچھ ہے سب کچھ چاندی کے ہوں گے دو باغ سونے کے ہیں جن میں برتن اور جو کچھ ان میں ہے سب سونے کے ہوں گے۔سونے کے باغ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہنے والے خاص یعنی مقرب مومنوں کے لئے ہوں گے اور چاندی کے باغ عام مومنوں یعنی اصحاب الیمین کے لئے ہوں گے۔''

(3)ایک جنت عدن اور دوسری جنت نعیم یا ایک بلند اور دوسرا پائیں باغ یا ایک روحانی اور دوسرا جسمانی باغ۔یا ایک مردانہ باغ اور دوسرا زنانہ باغ ایک اطاعت کے بدلہ میں اور دوسرا ترک معصیت کے بدلہ میں یا ایک باغ صحت عقیدہ کے بدلہ میں اور دوسرا نیک عمل کے بدلہ میں۔دو باغوں کے مفسرین نے یہ سب معنی بیان کئے ہیں۔واللہ اعلم (شوکانی)

(4)﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى (٤٠) فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى (٤١)﴾ ''لیکن جو شخص اپنے رب کے سامنے

کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور جس نے نفس کو بری خواہشات سے روکا۔ تو یقینا جنت اُس کا ٹھکانہ ہوگی۔'' (النازیات: 41,40)

﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾

''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (47)

سوال: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' یہاں اللہ تعالیٰ نے، اللہ تعالیٰ سے خوف رکھنے والوں کے لئے تیار کیے گئے باغات کو اپنی نعمت قرار دے کر یہ سوال کیا ہے کہ تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

﴿ذَوَاتَاۤ اَفْنَانٍ﴾

''دونوں ہی بہت شاخوں والے ہیں'' (48)

سوال: ﴿ذَوَاتَاۤ اَفْنَانٍ﴾ ''دونوں ہی بہت شاخوں والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ذَوَاتَاۤ اَفْنَانٍ﴾ ''دونوں ہی بہت شاخوں والے ہیں'' افنان۔ فن کی جمع ہے یعنی بہت بڑا اور لمبا ٹہنا یعنی ان دو باغوں کے جتنے درخت ہوں گے ان سب کے دو بڑے بڑے ٹہنے ہوں گے پھر ان ٹہنوں کی چھوٹی چھوٹی ٹہنیاں نکلیں گی۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کا اظہار ہے کہ ان باغوں کے درختوں کی نشوونما میں ایک دوسرے سے پوری طرح یکسانیت اور ہم آہنگی ہوگی۔ (تیسیر القرآن: 353/4)

(2) افنان۔ لمبی شاخ کو کہتے ہیں یہاں حقیقی معنی ہیں یا کنایہ ہے ہر قسم کی نعمتوں پر مشتمل ہونے سے۔ (تفسیر کمالین جلالین: 390/6)

﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾

''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (49)

سوال: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' اللہ تعالیٰ نے بہت سی شاخوں والے، بہت پھلوں والے، بہت گھنے سائے والے باغات کی نعمت کو جھٹلانے کی بات کی ہے۔

﴿فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ﴾

''اُن دونوں میں دو چشمے بہہ رہے ہیں'' (50)

سوال:﴿فِيۡهِمَا عَيۡنٰنِ تَجۡرِيٰنِ﴾ ''اُن دونوں میں دو چشمے بہہ رہے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فِيۡهِمَا عَيۡنٰنِ تَجۡرِيٰنِ﴾ ''اُن دونوں میں دو چشمے بہہ رہے ہیں'' جنتوں کے اندر دو چشمے جاری ہوں گے۔ایک کا نام تسنیم اور دوسرے کا سلسبیل۔یہ کبھی خشک نہیں ہوں گے۔

﴿فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾

''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (51)

سوال:﴿فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' یہاں اللہ تعالیٰ نے دو بہتے چشموں تسنیم اور سلسبیل کی نعمت کا ذکر کیا ہے جن کا پانی رواں ہوگا، بکثرت ہوگا۔

﴿فِيۡهِمَا مِنۡ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوۡجٰنِ﴾

''دونوں میں ہر پھل کی دو دو قسمیں ہیں'' (52)

سوال:﴿فِيۡهِمَا مِنۡ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوۡجٰنِ﴾ ''دونوں میں ہر پھل کی دو دو قسمیں ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿فِيۡهِمَا مِنۡ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوۡجٰنِ﴾ ''دونوں میں ہر پھل کی دو دو قسمیں ہیں'' ان جنتوں میں ہر قسم کے پھلوں کی دو دو قسمیں ہیں۔ ہر ایک کا اپنا رنگ، اپنی لذت، اپنا رنگ، اپنا مزہ اور اپنی خوشبو ہوگی، جن کو نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا۔

﴿فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾

''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (53)

سوال:﴿فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' رب العزت نے پھلوں اور ذائقوں کی نعمتوں کے تذکرے کے بعد سوال کیا ہے کہ یہ بتاؤ تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

﴿مُتَّكِـِٕيۡنَ عَلٰى فُرُشٍۢ بَطَآئِنُهَا مِنۡ اِسۡتَبۡرَقٍ ؕ وَجَنَا الۡجَـنَّتَيۡنِ دَانٍ﴾

''وہ مسندوں پر تکیہ لگائے ہوں گے جن کے اَستر موٹے ریشم کے ہوں گے اور دونوں باغوں کے تر و تازہ پھل بالکل ہی قریب ہوں گے'' (54)

سوال: ﴿مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۢ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ﴾ ''وہ مسندوں پر تکیہ لگائے ہوں گے جن کے اَستر موٹے ریشم کے ہوں گے اور دونوں باغوں کے تر و تازہ پھل بالکل ہی قریب ہوں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۢ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ﴾ ''وہ مسندوں پر تکیہ لگائے ہوں گے جن کے اَستر موٹے ریشم کے ہوں گے'' اہل جنت کے بچھونوں اور ان بچھونوں پر ان کے بیٹھنے کا وصف ہے، نیز یہ کہ وہ تکیے لے کر ان بچھونوں پر بیٹھیں گے، یعنی ان کا بیٹھنا تمکنت، قرار اور راحت کا بیٹھنا ہوگا، جیسے بادشاہ تختوں پر بیٹھتے ہیں ان بچھونوں کا وصف اور حسن اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا حتیٰ کہ ان کے نیچے والے حصے جو زمین کے ساتھ لگے ہوئے ہوتے ہیں، استبرق کے ہوں گے جو ریشم کی خوبصورت ترین اور اعلیٰ ترین قسم ہے تب ان بچھونوں کے ظاہری حصے جن پر بیٹھا جاتا ہے ان کی خوبصورتی کیسی ہوگی؟ (تفسیر سعدی:2677/3)

(2) ﴿وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ﴾ ''اور دونوں باغوں کے تر و تازہ پھل بالکل ہی قریب ہوں گے'' ان باغوں کے پھل اتنے جھکے ہوئے ہوں گے کہ جب چاہیں جو چاہیں پکے ہوئے پھل توڑ لیں۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا﴾ ''اور جنت کے سائے اُن پر جھکے ہوں گے۔ اور اُس کے خوشے اُن کے بالکل تابع کر دیے جائیں گے، خوب تابع کیا جانا۔'' (الدھر:14)

(3) ﴿قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ﴾ ''جس کے پھل قریب ہوں گے۔'' (الحاقۃ:23)

﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾

''تو اے جن و انس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (55)

سوال: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن و انس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن و انس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' رب العزت نے جنتیوں کے فرش کی نعمت اور پھلوں کے قریب ہونے کی نعمت کا احساس دلا کر سوال کیا ہے کہ اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ یعنی اس انعام و اکرام کو جھٹلاؤ گے؟

﴿فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ﴾

''اُن میں نیچی نگاہ والی عورتیں ہوں گی، جنہیں اُن سے پہلے کسی انسان یا جن نے چھوا تک نہیں'' (56)

سوال1:﴿فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ﴾ ''اُن میں نیچی نگاہ والی عورتیں ہوں گی، جنہیں اُن سے پہلے کسی انسان یا جن نے چھوا تک نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ﴾ ''اُن میں نیچی نگاہ والی عورتیں ہوں گی'' یعنی ان کی نگاہیں، اپنے حسن و جمال اور اپنے شوہروں کے ساتھ کامل محبت کی بنا پر صرف انہی پر لگی ہوئی ہوں گی، اسی طرح ان کے شوہروں کی نگاہیں بھی ان کے حسن و جمال، ان کے وصل کی لذت اور ان کے ساتھ شدید محبت کی بنا پر صرف انہی پر جمی ہوئی ہوں گی۔ (تفسیر سعدی:2678/3)

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔۢا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (١٩) مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ (٢٠)﴾ ''خوب مزے سے کھاؤ اور پیو اُس کے بدلے میں جو تم عمل کیا کرتے تھے۔ وہ صف بہ صف تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے اور ہم نے ان کا نکاح کر دیا سفید رنگت اور بڑی آنکھوں والی حوروں سے۔'' (الطور:19،20)

(3)﴿وَحُوْرٌ عِيْنٌ (٢٢) كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ (٢٣) جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (٢٤)﴾ ''اور گورے جسم، سیاہ بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں (ہوں گی) گویا چھپا کر رکھے ہوئے موتی ہوں۔ اُن کاموں کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے'' (الواقعہ:22-24)

(4)﴿لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ﴾ ''جنہیں اُن سے پہلے کسی انسان یا جن نے چھوا تک نہیں'' یہ دوشیزائیں بالکل اچھوتی ہوں گی۔ ان کے شوہروں سے پہلے ان کو کسی انسان یا جن نے چھوا نہیں ہوگا۔ ہم عمر اور دل ربا ہوں گی۔

سوال2: جنتی عورت کی کیا خصوصیات بیان کی گئی ہیں؟

جواب:(1) جنتی عورت نگاہیں نیچے رکھنے والی اور شرمیلی ہوگی۔ اس کی نگاہ اپنے شوہر کے علاوہ کسی اور پر نہیں پڑے گی۔ اس کو اپنے شوہر سے زیادہ نہ کوئی حسین لگے گا، نہ محبوب ہوگا۔

(2) جنتی عورت کو کسی انسان یا جن نے نہ چھوا ہوگا۔

سوال3: ہاں جنوں کے نہ چھونے کا تذکرہ کیا گیا۔ اس سے کیا حقیقت کھلتی ہے؟

جواب: اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ایمان والے جن بھی جنت میں جائیں گے اور ان کے لئے بھی وہاں وہی نعمتیں ہوں گی جو مومن انسانوں کے لئے ہوں گی۔

﴿فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾

''تو اے جن و انس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (57)

سوال:﴿فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن و انس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' کی وضاحت

کریں؟

جواب: (1)﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ ''تواے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' یعنی تم اس انعام کو جھٹلاؤ گے۔ (2) یہاں جنتی عورت کی پاکیزگی کی نعمت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سوال کیا ہے کہ آخر کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

﴿کَاَنَّہُنَّ الۡیَاقُوۡتُ وَالۡمَرۡجَانُ﴾

''گویا کہ وہ عورتیں یاقوت اور مرجان ہیں''(58)

سوال: ﴿کَاَنَّہُنَّ الۡیَاقُوۡتُ وَالۡمَرۡجَانُ﴾ ''گویا کہ وہ عورتیں یاقوت اور مرجان ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿کَاَنَّہُنَّ الۡیَاقُوۡتُ وَالۡمَرۡجَانُ﴾ ''گویا کہ وہ عورتیں یاقوت اور مرجان ہیں'' جنتی عورت کا حسن، صفائی اور پاکیزگی یاقوت کی طرح ہوگی۔ گورے پن میں اور سفیدی میں موتی کی طرح ہوگی۔

(2) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ ابوالقاسم ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں داخل ہونے والی پہلی جماعت چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوگی اور اس کے بعد والی جماعت آسمان میں سب سے زیادہ چمکنے والے ستارے کی مانند، ان میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ دو دو بیویاں عطا فرمائے گا کہ ان کی پنڈلیوں کا گودا گوشت کے اوپر سے نظر آرہا ہوگا اور جنت میں کوئی شخص بھی بیوی کے بغیر نہیں ہوگا۔''(مسلم:2834)

(3) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر اہل جنت میں سے کوئی عورت (یعنی حور) زمین والوں کی طرف جھانک لے تو وہ تمام فضا کو جو آسمان وزمین کے درمیان ہے، روشن کردے اور اس کو خوشبو سے بھر دے اور بے شک اس کا دوپٹہ جو اس کے سر پر ہے تمام دنیا والوں اور جو کچھ اس میں ہے، سے بہتر ہے۔''(بخاری:2796)

﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾

''تواے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟''(59)

سوال: ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ ''تواے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ ''تواے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' اللہ تعالیٰ نے جنتی عورت کے حسن کا تذکرہ کرکے یہ سوال کیا ہے کہ یہ بتاؤ تواے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

﴿ہَلۡ جَزَآءُ الۡاِحۡسَانِ اِلَّا الۡاِحۡسَانُ﴾

''نیکی کا بدلہ نیکی ہی ہے''(60)

سوال: ﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ﴾ ''نیکی کا بدلہ نیکی ہی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ﴾ ''نیکی کا بدلہ'' یعنی ایمان، اطاعت اور عبادت کی جزا۔

(2) ﴿اِلَّا الْاِحْسَانُ﴾ ''نیکی ہی ہے'' یعنی کیا اس شخص کی جزا جس نے بہترین طریقے سے اپنے رب کی عبادت کی اور اس کے بندوں کو فائدہ پہنچایا، اس کے سوا کچھ اور ہوسکتی ہے کہ ثواب جزیل، فوز کبیر، نعمتیں، اور تکدر سے سلامت زندگی عطا کر کے اس کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے؟ پس یہ دو بلند مرتبہ جنتیں مقربین کے لیے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 2678/3)

﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾

''تو اے جن و انس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (61)

سوال: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن و انس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن و انس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' یعنی اے جن و انس نیکی کے بدلے یعنی جنت کی کون کون سی نعمتوں کو کب تک جھٹلاؤ گے؟

﴿وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ﴾

''اور اُن دو کے علاوہ اور بھی دو باغ ہیں'' (62)

سوال: ﴿وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ﴾ ''اور اُن دو کے علاوہ اور بھی دو باغ ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ﴾ ''اور اُن دو کے علاوہ اور بھی دو باغ ہیں'' عربی زبان میں ''دون'' کا لفظ اگرچہ ماسوا اور علاوہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے لیکن اس کا زیادہ تر استعمال ایک چیز کے دوسری چیز کے مقابلہ میں نیچے یا بلحاظ مرتبہ کم ہونے کے معنی میں ہوتا ہے اس لئے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو باغ پہلے دو باغوں سے نیچے یا ان کے مقابلے میں کم مرتبہ ہوں گے۔ ایک حدیث میں ہے کہ دو جنتیں معہ اپنے ساز و سامان کے۔ شاید پہلی جنتیں مقرب لوگوں کے لیے ہیں اور دوسری اصحاب الیمین کے لئے۔ واللہ اعلم (تفسیر ابن کثیر) (اشرف الحواشی: 636/1)

(2) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنت میں سو درجے ہیں وہ اللہ تعالیٰ نے جہاد فی سبیل اللہ کرنے والوں کے لیے تیار کیے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان ہے۔ پس جب تم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو تو اس سے فردوس طلب کرو کیونکہ وہ جنت کا افضل اور اعلیٰ حصہ ہے۔'' (بخاری: 2790)

﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾

''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (63)

سوال: ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' رب العزت نے سوال کیا ہے کہ دو باغوں جیسی عظیم نعمت کو جس کا یقین دل کے اندر نہیں بیٹھ رہا کب تک جھٹلاؤ گے؟

﴿مُدْهَآمَّتٰنِ﴾

''دونوں سیاہی مائل گہرے سبز ہیں'' (64)

سوال: ﴿مُدْهَآمَّتٰنِ﴾ ''دونوں سیاہی مائل گہرے سبز ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿مُدْهَآمَّتٰنِ﴾ ''دونوں سیاہی مائل گہرے سبز ہیں'' ان دونوں باغوں کے پتے اپنی سیرابی کی وجہ سے اتنے گہرے سبز ہوں گے کہ سیاہ ہو رہے ہوں گے۔

﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾

''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (65)

سوال: ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' اللہ تعالیٰ نے جنت کے دو دوسرے باغوں کی سرسبزی اور شادابی کی نعمت کا ذکر کیا ہے کہ آخر کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

﴿فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ﴾

''اُن دونوں میں جوش مارتے ہوئے دو چشمے ہیں'' (66)

سوال: ﴿فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ﴾ ''اُن دونوں میں جوش مارتے ہوئے دو چشمے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ﴾ ''اُن دونوں میں جوش مارتے ہوئے دو چشمے ہیں'' نضخ کا معنی پانی کا چشمہ سے زور سے پھوٹنا۔ مگر نضخ میں جوش مارنے کی وجہ کثرت آب اور دباؤ ہوتی ہے نہ کہ حرارت، اور نضاخ موسلا دھار بارش کو بھی کہتے ہیں۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ چشموں کے سوراخ تنگ اور پانی کی کثرت روانی کی تیزی کی وجہ سے وہ چشمے جوش مار رہے ہوں گے۔ (تیسیر القرآن: 354/4)

(2) یعنی ان جنتوں میں ابلتے ہوئے چشمے یعنی فوارے ہوں گے۔(3) مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں خیر و برکت سے جوش مار رہے ہوں گے۔ (تفسیر مراغی: 395/9)

﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾

''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (67)

سوال: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یہاں اللہ تعالیٰ نے جوش سے اُبلنے والے پانی کی نعمت کا ذکر کیا ہے کہ تم کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

﴿فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ﴾

''ان دونوں میں پھل اور کھجوروں کے درخت اور انار ہیں'' (68)

سوال 1: ﴿فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ﴾ ''ان دونوں میں پھل اور کھجوروں کے درخت اور انار ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ﴾ ''ان دونوں میں پھل اور کھجوروں کے درخت اور انار ہیں'' فکہ بمعنی خوش طبعی، خوش مزاجی اور ہنسنے ہنسانے والا ہونا اور فکہ کے معنی کسی کو میوہ کھلانا بھی اور اپنے شریں کلام سے کسی کو خوش کرنا اور فواکہ سے مراد ایسے پھل ہیں جن کے کھانے کا اصل مقصد لذت وسرور اور لطف حاصل کرنا ہو نہ کہ غذائیت حاصل کرنا۔ (تیسیر القرآن: 355/4)

(2) کھجور کے ساتھ انار کا پانی مل جائے تو کھانا پینا اور لطف وسرور سب حاصل ہو جاتا ہے۔

سوال 2: دوسرے دو باغوں میں جنت کے کن پھلوں کا ذکر کیا گیا ہے؟

جواب: دوسرے دو باغوں میں کھجور اور انار کا ذکر کیا گیا ہے جب کہ پہلے دو باغوں میں ہر پھل کی دو قسموں کا ذکر ہے۔

﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾

''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (69)

سوال: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' اللہ تعالیٰ نے یہاں کھجور، انار اور دوسرے پھلوں کی نعمت کا ذکر کیا ہے کہ تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

﴿فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ﴾

''اُن میں کئی خوب سیرت، خوب صورت عورتیں ہیں'' (70)

سوال: ﴿فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ﴾ ''اُن میں کئی خوب سیرت، خوب صورت عورتیں ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ﴾ ''اُن میں کئی خوب سیرت، خوب صورت عورتیں ہیں''، یعنی جنت میں بہترین اخلاق اور خوب صورت چہروں والی عورتیں ہوں گی۔ ان کا ظاہری اور باطنی حسن، ان کا حسن خلق اور حسن خلقت اپنے کمال پر ہوگا۔

(2) سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں موٹی موٹی آنکھوں والی حوریں یہ ترانہ گاتی ہیں ہم خوبصورت اور نیک سیرت حوریں اپنے محبوب شوہروں کے لئے محفوظ کی گئی ہیں۔ (طبرانی)

(3) سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کوئی عورت اپنے شوہر کو تکلیف پہنچاتی ہے تو موٹی آنکھوں والی حوروں میں سے اس آدمی کی بیوی کہتی ہے: اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کرے اسے تکلیف نہ دے یہ چند روز کے لیے تیرے پاس ہے عنقریب تجھے چھوڑ کر ہمارے پاس آنے والا ہے۔ (ابن ماجہ)

﴿فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾

''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (71)

سوال: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' اللہ تعالیٰ نے یہاں نیک کردار اور خوب صورت عورت کی نعمت کا ذکر کیا ہے کہ آخر کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

﴿حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ﴾

''گوری سیاہ آنکھوں والی عورتیں، خیموں میں روکی ہوئی ہیں'' (72)

سوال: ﴿حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ﴾ ''گوری سیاہ آنکھوں والی عورتیں، خیموں میں روکی ہوئی ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ﴾ ''گوری سیاہ آنکھوں والی عورتیں، خیموں میں روکی ہوئی ہیں''، یعنی وہ حوریں موتیوں کے خیموں میں مستور ہوں گی جنھوں نے اپنے آپ کو اپنے شوہروں کے لیے تیار کر رکھا ہوگا۔ ان کا خیموں میں مستور ہونا، ان کے جنت کے باغات میں نکلنے کے منافی نہیں، جیسا کہ باپردہ شہزادیوں کی عادت ہے۔ (تفسیر سعدی: 2679/3)

(2) نبی ﷺ نے فرمایا:''جنت میں موتیوں کے خیمے ہوں گے. ان کا عرض ساٹھ میل ہوگا. اس کے ہر کونے میں جنتی کے گھر والے ہوں گے جس کو دوسرے کونے والے نہیں دیکھ سکیں گے۔ مومن اس میں گھومے گا۔'' (صحیح مسلم)

﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾

''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے ربّ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (73)

سوال: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' اللہ تعالیٰ نے یہاں گوری رنگت کی خیموں میں ٹھہرائی ہوئی حور کی نعمت کا ذکر کیا ہے کہ تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

﴿لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ﴾

''ان سے پہلے کسی انسان اور کسی جن نے اُنہیں چھوا تک نہیں'' (74)

سوال: ﴿لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ﴾ ''ان سے پہلے کسی انسان اور کسی جن نے اُنہیں چھوا تک نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ﴾ ''ان سے پہلے کسی انسان اور کسی جن نے اُنہیں چھوا تک نہیں'' اہل جنت کو ملنے والی حوریں کنواری ہوں گی۔ طمث کے معنی حیض کا خون بھی ہے اور عورت کا حیض والا ہونا بھی اور مرد کا، عورت کا پردہ بکارت زائل کرنا بھی۔ گویا یہ لفظ پہلی بار مجامعت سے مخصوص ہے۔ (تیسیر القرآن: 355/4)

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا (۳۱) حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا (۳۲) وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا (۳۳) وَّكَاْسًا دِهَاقًا (۳۴)﴾ ''یقینا اللہ تعالیٰ سے ڈر جانے والوں کے لیے کامیابی کا ایک مقام ہے۔ باغات اور انگور ہیں۔ اور نوخیز ہم عمر لڑکیاں ہیں۔ اور چھلکتے ہوئے جام ہیں۔'' (النباء: 31-34)

(3) ﴿اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً (۳۵) فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا (۳۶) عُرُبًا اَتْرَابًا (۳۷)﴾ ''بلاشبہ ہم نے انہیں نئے سرے سے پیدا کیا ہے۔ پس ہم نے انہیں کنواریاں بنایا ہے۔ شوہر کی محبوب، ان کی ہم عمر ہیں۔'' (الواقعہ: 35-37)

﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾

''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (75)

سوال: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' کی وضاحت

کریں؟

جواب:﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ ’’تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟‘‘ اللہ تعالیٰ نے یہاں جنتی عورت کی نعمت کی بات کی ہے کہ تم کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

﴿مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ﴾

’’نادر ونفیس، خوب صورت سبز قالینوں پر تکیہ لگائے ہوں گے‘‘(76)

سوال:﴿مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ﴾ ’’نادر ونفیس، خوب صورت سبز قالینوں پر تکیہ لگائے ہوں گے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ خُضْرٍ﴾ ’’سبز قالینوں پر تکیہ لگائے ہوں گے‘‘ زخرف، گدے، مسندیں اور جنت کے باغات۔ اہل جنت سبز رنگ کے بیش بہا قالینوں اور مسندوں پر ٹیک لگا کر آرام سے بیٹھے یا لیٹے ہوں گے۔ یہ وہ جگہیں ہیں جو بلند جگہوں کے نیچے ہوں گی۔ان کے بیٹھنے کی جگہ کے پیچھے خوب صورت پردے لٹک رہے ہوں گے۔

(2)﴿وَّعَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ﴾ ’’نادر ونفیس، خوب صورت‘‘ غالیچہ، قالین منقش ریشم۔ عبقری ہر اس بنے ہوئے کپڑے کو کہتے ہیں جسے خوب صورت طریقے سے بنا گیا ہو۔اس کے لمس میں ملائمت ہو اور دیکھنے میں ورطۂ حیرت میں گم کر دینے والا ہو۔

(3)﴿وَّعَبْقَرِیٍّ﴾ عرب کے دورِ جاہلیت کے انسانوں میں جنوں کے دار السلطنت کا نام عبقر تھا جہاں صرف جن اور پریاں ہی رہتے تھے جسے ہم اردو میں پرستان بھی کہتے ہیں یعنی پریوں کے رہنے کی جگہ۔ پھر لفظ عبقری کا اطلاق ہر نفیس اور نادر چیز پر ہونے لگا تو یہ پرستان کی چیز ہے جس کا مقابلہ دنیا کی عام چیزیں نہیں کر سکتیں۔ پھر اس لفظ کا اطلاق ایسے آدمی پر بھی ہونے لگا جو غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک ہو۔اسی لیے اہل عرب کو جنت کے سروسامان کی غیر معمولی نفاست اور خوبی کا تصور دلانے کے لیے یہاں عبقری کا لفظ آیا ہے۔(تیسیر القرآن:355/4)﴿عَبْقَرِیٍّ﴾ ہر نفیس اور اعلیٰ چیز کو کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لئے یہ لفظ استعمال کیا تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا:’’میں نے کوئی ایسا عبقری نہیں دیکھا جو عمر کی طرح کام کرتا ہو۔‘‘ (بخاری)

﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾

’’تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟‘‘(77)

سوال:﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ ’’تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' اللہ تعالیٰ نے یہاں جنتیوں کے فرش کی بات کی ہے کہ آخر کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

﴿تَبٰرَکَ اسْمُ رَبِّکَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ﴾

''آپ کے رب کا نام بڑا ہی بابرکت ہے جو بڑی شان والا اور بڑی عزت والا ہے'' (78)

سوال:﴿تَبٰرَکَ اسْمُ رَبِّکَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ﴾ ''آپ کے رب کا نام بڑا ہی بابرکت ہے جو بڑی شان والا اور بڑی عزت والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿تَبٰرَکَ اسْمُ رَبِّکَ﴾ ''آپ کے رب کا نام بڑا ہی بابرکت ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ کی مقدس ذات کا بابرکت نام الرحمٰن۔

(2)﴿ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ﴾ ''جو بڑی شان والا اور بڑی عزت والا ہے'' اپنے اولیاء کے لیے عظمت واکرام والا اور اپنے بندوں پر احسان کرنے والا۔ (ایسر التفاسیر:1566)

(3) سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی نماز سے سلام پھیرتے تو (پہلے) تین بار استغفار پڑھتے، پھر یہ دعا پڑھتے:﴿اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ﴾ ''یا اللہ! تو ہی سلامتی والا ہے اور تجھی سے سلامتی ہے، اے بزرگی اور عزت والے! تو بڑی برکت والا ہے۔'' (صحیح مسلم:1334)

(4) اللہ تعالیٰ بڑی بزرگی اور عزت والا ہے، عزت عطا کرنے والا ہے، لطف واحسان کرنے والا ہے۔ اس کا نام بابرکت ہے تو اس کی ذات کتنی بابرکت ہوگی۔

﴿یا ارحم الراحمین ہمیں اپنی خیر وبرکت اور رحمت میں رکھیے﴾

آمین

الحمد للہ رب العالمین

رب العزت کا ارشاد ہے

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ

تو اے جن وانس!

تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

(سورۃ الرحمٰن:13)

AL-NOOR INTERNATIONAL

النور

www.alnoorpk.com

Nighat Hashmi

0336-4033045

Nighat Hashmi

AlNoor International

AlNoor Products

000151